توحید۔ رسالتؐ۔ آخرت۔ ایمان۔ اطاعت۔ خلافت

تحریکِ احیاءِ خلافت

تعارف...... منہج...... مقصد

شائع کردہ

شعبہ نشر و اشاعت

تحریکِ احیاءِ خلافت

توحید۔ رسالتؐ۔ آخرت۔ ایمان۔ اطاعت۔ خلافت

تحریکِ احیاءِ خلافت

تعارف...... منہج...... مقصد

شائع کردہ

شعبہ نشر و اشاعت

تحریک احیاء خلافت

فہرست عناوین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین۔
اما بعد!

فرضیت خلافت

خلافت اسلامی شریعت کے احکامات کو نافذ کرنے اور پوری دنیا کے سامنے اسلام کی دعوت کو پیش کرنے کیلئے تمام مسلمانوں کی ایک عام حکومت کا نام ہے۔ یہی بعینہٖ امامت ہے۔ پس خلافت اور امامت کا ایک ہی معنی ہے، اور صحیح احادیث میں یہ دونوں الفاظ (اصطلاحات) ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ کسی بھی شرعی نص یعنی "قرآن اور سنت" میں ان دونوں لفظوں میں سے کسی ایک کے معنی دوسرے سے مختلف اور متضاد نہیں۔ کیونکہ نصوصِ شرعیہ نے ان کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ ان الفاظ یعنی امامت یا خلافت کی لفظی پابندی ضروری نہیں، بلکہ ان کے مفہوم کی پابندی فرض ہے۔ خلافت کو قائم کرنا پوری دنیا کے تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور اس کا قیام ان دوسرے فرائض کی ادائیگی کی طرح فرض ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ یہ ایک حتمی (لازمی) فریضہ ہے جس کے قیام میں تغافل کی کوئی گنجائش نہیں اور اسکی اقامت میں کوتاہی کرنا ان بڑے عظیم گناہوں میں سے ایک گناہ کا ارتکاب کرنا ہے، جن

پر اللہ تعالیٰ سخت عذاب دیتا ہے۔تمام مسلمانوں پر خلافت کی اقامت کی فرضیت کی دلیل کتاب اللہ، سنتِ رسول ﷺ اور اجماعِ صحابہؓ سے ثابت ہے۔

جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلہ کریں اور اس کا حکم قطعی شکل (طلبِ جازم) میں دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ هُمْ عَمَّا جَآءَ كَ مِنَ الْحَق (المائدۃ:۴۸)

''پس ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اس کے مقابلے میں ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں''۔

اور ارشاد ہے:

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ هُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (المائدۃ:۴۹)

''اور یہ کہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ اور ان سے محتاط رہیں کہ کہیں یہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (بعض احکامات) کے بارے میں آپ کو فتنے میں نہ ڈال دیں''۔

رسول اللہ ﷺ سے خطاب امت کیلئے بھی ہے جب تک کہ آپؐ کے ساتھ خاص ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو۔ اور یہاں تخصیص کی کوئی دلیل موجود

نہیں۔ چنانچہ یہ خطاب تمام مسلمانوں کیلئے بھی ہے کہ وہ اسلامی احکامات کو قائم کریں۔ اور خلیفہ کے قیام سے مراد بھی یہی ہے کہ حکومت اور امیر (شرعی اختیار کا حامل شخص) مقرر کیا جائے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اولوالامر (صاحب اقتدار) کی اطاعت کو بھی مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا اولوالامر ہونا چاہئے۔ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الأمرِ منكم (النساء: ۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر (حکمرانوں) کی بھی''۔

اللہ تعالیٰ کبھی بھی اس شخص کی اطاعت کا حکم نہیں دیتا جس کا وجود ہی نہ ہو۔ چنانچہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اولوالامر کا ہونا ضروری ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا تو اس کے وجود کا حکم تو ضرور دے چکے ہیں، کیونکہ اولوالامر کے وجود پر شرعی حکم کا دارومدار ہے اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں شرعی حکم ضائع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کا وجود فرض ہے۔ کیونکہ اس کے عدم وجود کی صورت میں حکم شرعی ضائع ہوتا ہے، جو حرام ہے۔ جہاں تک سنت کی بات ہے تو مسلمؒ نافعؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ مجھ سے ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''جو شخص (امیر کی) اطاعت سے اپنا ہاتھ کھینچ لے تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی اور

جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت (کا طوق) نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان پر یہ فرض کیا کہ اس کی گردن میں بیعت کا طوق ہو، اور جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت کا طوق نہیں تو گویا وہ جاہلیت کی موت مرا اور یہ بیعت صرف اور صرف خلیفہ کی ہو سکتی ہے اور اس کے علاوہ اور کسی کی نہیں۔ (علماء و اولیاء کے ہاتھوں پر بیعت نہ کرنے والوں پر اس وعید کا اطلاق نہیں ہوتا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرض قرار دیا کہ ہر مسلمان کی گردن میں خلیفہ کی بیعت کا طوق ہو، یہ نہیں فرمایا کہ ہر ایک مسلمان خلیفہ کی بیعت کرے۔ چنانچہ فرض صرف ہر مسلمان کی گردن میں بیعت کے طوق کا ہونا ہے، یعنی ایسے خلیفہ کا ہونا، جس کی بیعت کی جا سکے۔ خلیفہ کے موجود ہونے سے ہر مسلمان کی گردن میں بیعت کا طوق ہوتا ہے، چاہے وہ بالفعل بیعت نہ بھی کرے۔ چنانچہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خلیفہ کا تقرر فرض ہے، نہ کہ ہر فرد کا اس کی بیعت بھی کرنا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس چیز کی مذمت کی ہے، وہ ہے مسلمان کی گردن کا موت تک بیعت (خلیفہ) سے خالی ہونا، نہ کہ بیعت کا سرے سے نہ کرنا۔

مسلمؒ نے اعرج سے اور انہوں نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"خلیفہ ڈھال ہے جس کے پیچھے سے لڑا جاتا ہے اور اسی کے ذریعے تحفظ حاصل ہوتا ہے"۔

مسلم نے ابو حازم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: "میں پانچ

سال تک ابو ہریرہؓ کی صحبت میں رہا۔ میں نے انہیں نبیؐ سے یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا، جبکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، بلکہ بڑی کثرت سے خلفاء ہوں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا: آپ (ﷺ) ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''تم ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کو پورا کرو اور انہیں ان کا حق ادا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں پوچھے گا، جو اُس نے انہیں دی''۔

اور صحیح مسلم میں ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس نے اپنے امیر کی کسی چیز کو ناپسند کیا تو لازم ہے کہ وہ اس پر صبر کرے، کیونکہ لوگوں میں سے جس نے بھی امیر کی اطاعت سے بالشت برابر بھی خروج کیا اور وہ اس حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا''۔

ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ مسلمانوں کے حکمران ہوں گے اور ان میں خلیفہ کی یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ ڈھال یعنی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امام کو ڈھال کہنا امام کی موجودگی کے فوائد بتانا ہے۔ چنانچہ اس میں طلب ہے کیونکہ اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے کسی چیز کی خبر اگر مذمت کے طور پر ہو تو اس کو ترک کرنا مطلوب ہوتا ہے یعنی وہ ''نہی'' ہوتا ہے اور اگر اس میں مدح (تعریف) ہو تو وہ عمل مطلوب ہوتا ہے۔ پس اگر وہ فعل مطلوب بھی ہو اور اس

پر کسی حکمِ شرعی کا انحصار بھی ہو اور فعل کے نہ کرنے کی صورت میں حکم شرعی کے ضائع ہونے کا اندیشہ بھی ہو، تو یہ طلب جازم (فرض) ہوگا۔ ان احادیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے سیاستدان خلفاء ہی ہوں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ ان کا قیام مطلوب ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کیلئے امیر (شرعی اختیار کے حامل شخص) سے علیحدگی اختیار کرنا حرام ہے اور اس میں اس کی طرف اشارہ بھی ہے کہ مسلمانوں پر اپنے لئے ایک ایسے امیر کو مقرر کرنا واجب ہے جو ان پر اسلام نافذ کرے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلفاء کی اطاعت اور ان کی خلافت میں تنازع کرنے والوں سے قتال کا حکم دیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت کو قائم کرنے اور اس کی حفاظت کرنے اور اس میں تنازع کرنے والوں کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ مسلمؒ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اور جو شخص کسی امام (خلیفہ) کی بیعت کرے تو اسے اپنے ہاتھ کا معاملہ اور دل کا پھل دے دے (یعنی سب کچھ اس کے حوالہ کر دے)، پھر اسے چاہئے کہ وہ حسب استطاعت اس کی اطاعت بھی کرے۔ اگر کوئی دوسرا شخص آئے اور پہلے خلیفہ سے تنازع کرے تو دوسرے کی گردن اڑا دو"۔

امام کی اطاعت کا حکم اس کی اقامت کا حکم بھی ہے اور اس کے ساتھ جھگڑنے والے کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم خلیفہ کے ہمیشہ ایک ہونے پر حتمی (طلب جازم) حکم کیلئے واضح قرینہ ہے۔

جہاں تک اجماعِ صحابہ کی بات ہے تو تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم

اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اسی مقصد کیلئے خلیفہ مقرر کرنے پر اجماع کیا اور ابوبکرؓ کی خلافت پر جمع ہو گئے، پھر عمرؓ کی خلافت پر اور ان کی وفات کے بعد عثمانؓ اور پھر علیؓ کی خلافت پر۔ اس مسئلے پر اجماع صحابہ کی تاکید اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے لئے خلیفہ مقرر کرنے میں مصروف ہو گئے اور آپ کی تدفین میں تاخیر کی۔ باوجودیکہ وفات کے بعد میت کو دفن کرنا فرض ہے، اور جن لوگوں پر اس میت کو دفن کرنا فرض ہے، ان کا تدفین سے پہلے کسی اور کام میں مشغول ہو جانا حرام ہے۔ چنانچہ جن صحابہؓ پر آپ ﷺ کی تدفین فرض تھی ان میں سے بعض خلیفہ کے تقرر میں مشغول ہو گئے جبکہ دوسرے صحابہؓ نے اس مشغولیت پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا اور وہ سب دو راتوں کی تاخیر کے بعد رسول ﷺ کی تدفین میں شریک ہوئے حالانکہ وہ انکار بھی کر سکتے تھے اور آپ ﷺ کو دفن بھی کر سکتے تھے تو یہ اجماع تھا میت کو بھی چھوڑ کر خلیفہ کے تقرر میں لگے رہنے پر۔ یہ صرف اس وجہ سے ہوا کہ خلیفہ کا تقرر میت کی تدفین سے زیادہ اہم تھا (بڑا فریضہ تھا)، اور تمام صحابہؓ نے اپنی پوری زندگی میں خلیفہ کے تقرر کی فرضیت پر اجماع کیا۔ اس بارے میں تو اختلاف ہوا کہ کون خلیفہ ہوگا؟ لیکن اس بات پر کبھی اختلاف نہیں ہوا کہ خلافت فرض بھی ہے کہ نہیں؟ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے موقع پر اور نہ کسی خلیفہ کی وفات کے وقت۔ چنانچہ خلیفہ کے تقرر کے بارے میں اجماعِ صحابہؓ ایک واضح اور مضبوط دلیل ہے۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ دنیا اور آخرت سے متعلق زندگی کے ہر پہلو میں شرعی احکامات کو نافذ کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی دلیل قطعی الثبوت

بھی ہے اور قطعی الدلالۃ بھی اور یہ ایک صاحب اختیار حاکم کے بغیر ممکن نہیں اور شرعی قاعدہ یہ ہے کہ ''جس چیز کے بغیر کوئی فرض ادا نہیں ہوتا وہ بھی فرض ہے''۔ چنانچہ خلیفہ کے تقرر کی فرضیت اس جہت سے بھی ثابت ہے۔

یہ دلائل بڑے صریح اور واضح ہیں کہ مسلمانوں پر اپنے میں سے ایک امیر (شرعی اختیار کا حامل شخص) اور اسلامی حکومت کو قائم کرنا فرض ہے۔ اور یہ دلائل اس مسئلہ پر بھی واضح اور صریح ہیں کہ ایک صاحب اختیار اور صاحب حکومت خلیفہ کا تقرر فرض ہے، جو شرعی احکامات کے نفاذ کے لئے بھی ہو، نہ کہ صرف اختیار اور حکومت کیلئے۔ اس کو سمجھنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول پر غور کریں جسے مسلمؒ نے عوفؓ بن مالک سے نقل کیا ہے:

''تمہارے لئے بہترین امام وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔ وہ تمہارے لئے دعائیں کریں اور تم ان کیلئے دعائیں کرو اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں۔ تم ان پر لعنتیں بھیجو اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں''۔ اس پر آپ (ﷺ) سے سوال کیا گیا ''کیا ہم ایسی صورت میں بزورِ شمشیر انہیں ہٹا نہ دیں؟'' آپ (ﷺ) نے فرمایا: ''اس وقت تک نہیں جب تک کہ وہ تمہارے درمیان نماز قائم رکھیں اور اگر تم اپنے حکمرانوں سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھو تو صرف اسی چیز کو ناپسند کرو۔ اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو''۔

یہ حدیث بہترین اور بدترین اماموں کے بارے میں خبر دینے میں واضح ہے اور جب تک وہ دین کو قائم رکھیں اس وقت تک ان کے خلاف تلوار اُٹھانا حرام ہے۔ کیونکہ اقامت نماز اقامت دین اور اس کے احکام سے کنایہ

ہے۔ پس اسلام کے احکام نافذ کرنے اور اسلام کو پھیلانے کیلئے خلیفہ کا تقرر مسلمانوں پر فرض ہے اور یہ ایسے شرعی نصوص سے ثابت ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اسلامی احکامات کے نفاذ اور مسلمانوں کی سرزمین کی حفاظت کو فرض قرار دیا ہے۔ البتہ یہ فرضِ کفایہ ہے۔ اگر بعض لوگ اس کے قیام کیلئے کوششیں کرنے کے باوجود اسے قائم نہ کر سکے تو وہ تمام مسلمانوں پر بطورِ فرض باقی رہے گا۔ اور کسی مسلمان سے اس وقت تک یہ فرض ساقط نہیں ہوگا جب تک کہ مسلمان خلیفہ کے بغیر رہیں گے۔ خلیفۃ المسلمین کے قیام سے کنارہ کشی اختیار کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ یہ اسلامی فرائض میں سے ایک ایسے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا ہے جس پر اسلامی احکامات کے نفاذ کا انحصار ہے، بلکہ کارزارِ حیات میں اسلام کا وجود بھی اسی کا محتاج ہے۔ اگر تمام مسلمان خلیفۃ المسلمین کے تقرر کا کام چھوڑ کر بیٹھ جائیں تو سب سخت گنہگار ہوں گے۔ اگر وہ سب اس کوتاہی پر اکٹھے ہو گئے تو دنیا بھر کے تمام مسلمان فرداً فرداً گنہگار ٹھہریں گے اور اگر کچھ لوگ خلیفہ کے تقرر کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں اور باقی نہ کھڑے ہوں تو کھڑے ہونے والوں سے تو گناہ ساقط ہو جائے گا البتہ اس وقت تک ان پر فرض باقی رہے گا جب تک کہ خلیفہ کا تقرر ہو نہیں جاتا۔ کیونکہ کسی فرض کی ادائیگی کے لئے جدوجہد میں مشغولیت سے اس کی ادائیگی میں تاخیر یا عدم ادائیگی کے باوجود ان سے گناہ ساقط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی ادائیگی جدوجہد ہی سے ممکن ہے لیکن کسی زبردست رکاوٹ نے انہیں اس کام کی ادائیگی سے رُکنے پر مجبور کر دیا جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو فرض کی

ادائیگی والے کام ہی نہیں کرتے تو وہ ایک خلیفہ کے جانے کے تین دن بعد سے لیکر اگلے خلیفہ کے تقرر تک گناہگار ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ فرض عائد کیا اور انہوں نے اس کو ادا کیا نہ اس کی ادائیگی کے لئے وہ کام کیا جو اس فرض کی ادائیگی کا ذریعہ بن سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں اللہ کی طرف سے عذاب اور رُسوائی کے حقدار ٹھہریں گے۔ خلیفہ کے قیام اور اس کے لئے ضروری اعمال کی عدم ادائیگی کی بدولت عام مسلمانوں کے گنہگار ہونے کا سبب نہایت واضح ہے، کیونکہ جب کوئی مسلمان اللہ کی طرف سے عائد کردہ کسی بھی فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے تو وہ سزاوار ہوتا ہے۔ خاص طور پر ایک ایسا فرض، جس کے ذریعے دوسرے فرائض کا نفاذ ہوتا ہو، اسلام کے احکامات قائم ہو رہے ہوں اور چاردانگ عالم میں اللہ کا دین سربلند ہو رہا ہو۔

بعض احادیث میں جو یہ وارد ہوا ہے کہ ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ لوگوں سے جدارہ کر صرف اپنی ذات سے متعلق دینی فرائض کو ادا کرتے ہوئے دین پر کاربند رہے اور اسی پر انحصار کرے یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ خلافت کے قیام ہی سے منہ موڑ لیا جائے اور نہ ایسا کرنے سے وہ گناہ سے مبرا ہوگا۔ ان احادیث میں غور کرنے والا شخص یہ محسوس کرے گا کہ ان میں دین پر کاربند رہنے کا حکم دیا گیا ہے، نہ کہ خلیفۃ المسلمین کے قیام سے ہاتھ کھینچ لینے کی رخصت (اجازت) موجود ہے جیسا کہ بخاریؒ نے بسر بن عبید اللہ الحضرمی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ابو ادریس الخولانی کو سنا اور انہوں نے حذیفہؓ بن الیمان کو یہ کہتے ہوئے سنا:

”عام طور پر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیر کے بارے میں سوالات پوچھا کرتے تھے جبکہ میں آپ سے شر کے بارے پوچھا کرتا تھا کہ مبادا اس میں گرفتار ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے کہا: ”اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہم جاہلیت اور شر میں گھرے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خیر عطا فرمادی، تو کیا اس خیر کے بعد بھی شر ہوگا؟ تو آپؐ نے فرمایا: ہاں! میں نے کہا: اس شر کے بعد خیر آئے گی؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! اور اس میں دخن (دھواں) ہوگا۔ میں نے عرض کیا: اس کا دخن (دھواں) کیا ہوگا؟ فرمایا: ”ایسی قوم ہوگی جو میری ہدایت کے بغیر ہدایت کرے گی۔ ان میں سے کچھ چیزیں تمہیں اچھی لگیں گی اور کچھ بری۔ میں نے کہا: ”کیا اس خیر کے بعد بھی شر ہوگا؟“ فرمایا: ہاں! جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہوئے داعی (مبلغ) ہوں گے۔ جس نے اس جہنم کی طرف بلانے والے کی پکار کو قبول کیا تو وہ اُسے اس میں پھینک دیں گے“۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ ہمیں ان کی صفات بتا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ ہماری چمڑی (مراد ہم میں سے ہوں گے اور ہماری زبانیں بولیں گے“۔ میں نے کہا: ”اگر مجھ پر یہ زمانہ آئے تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟“ آپؐ نے فرمایا: ”مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام (خلیفہ) کے ساتھ چمٹے رہو“۔ میں نے عرض کیا: ”اگر ان کی جماعت اور امام (خلیفہ) نہ ہو“ آپ نے فرمایا: ”ان تمام فرقوں سے جدا رہنا اگرچہ تجھے درخت کی جڑیں ہی چبانی پڑیں۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں تجھے موت آجائے“۔

یہ حدیث اس بارے میں نہایت واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم ایک مسلمان کو یہ حکم دے رہے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام (خلیفہ) کے ساتھ چمٹا رہے اور ان داعیوں کو چھوڑ دے جو جہنم کے دہانے پر کھڑے ہیں۔ اس پر سوال کرنے والے نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ جب مسلمانوں کی جماعت اور امام (خلیفہ) نہ ہو تو اس وقت وہ جہنم کے دہانے پر کھڑے ان داعیوں کے بارے میں کیا کرے تو اس صورتحال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ ان تمام فرقوں سے جدائی اختیار کرے۔ یہ نہیں کہا کہ وہ مسلمانوں سے جدا ہو جائے اور نہ یہ کہا کہ وہ امام (خلیفہ) کے قیام کا فریضہ ہی ترک کر کے بیٹھ جائے۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم "ان تمام فرقوں سے جدا ہو جانا" نہایت واضح ہے۔ آپ ﷺ نے ان تمام فرقوں سے جدا ہونے پر اس قدر زور دیا کہ چاہے اس کے لئے مدت تک درخت کی جڑیں ہی کیوں نہ چبانی پڑیں حتیٰ کہ موت اسے آلے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کے دہانے پر کھڑے گمراہ داعیوں سے دور رہتے ہوئے دین پر کاربند رہا جائے۔ اس حدیث میں اقامت خلافت کیلئے جدوجہد کرنے سے باز رہنے کا کوئی عذر بیان ہوا اور نہ اس سے رخصت دی گئی ہے۔ بلکہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ دین کو مضبوطی سے تھاما جائے اور جہنم کے دہانے پر کھڑے داعیوں سے دور رہا جائے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ جب تک مسلمان اقامت خلافت کیلئے کام نہیں کرتا اس وقت تک وہ گنہگار رہے گا۔ وہ اس بات کا پابند ہے کہ وہ تمام گمراہ فرقوں سے جدا رہے تا کہ گمراہ داعیوں سے اپنا دین بچا سکے، چاہے اس کے لئے اسے درخت کی جڑیں ہی کیوں نہ چبانی پڑیں۔ اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی جماعت ہی سے سرے سے دور ہو جائے اور

دینی احکامات کے نفاذ کیلئے مسلمانوں کے امام (خلیفہ) کی اقامت کے فرض ہی کو ترک کر دے۔

اسی طرح بخاریؒ نے ابو سعید خدریؓ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''قریب ہے کہ فتنوں سے بھاگ کر اپنا دین بچانے والے مسلمان کا بہترین مال وہ بکریاں ہوں گی جن کے پیچھے وہ پہاڑوں کے رستوں اور پانی کی جگہوں پر پھرتا رہے گا''۔

یہاں یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمانوں کی جماعت سے الگ تھلگ ہو کر دینی احکامات پر عمل چھوڑ دیا جائے، اور جب رُوئے زمین سے خلافت ختم ہو جائے تو اس کے قیام کیلئے جدوجہد ہی نہ کی جائے، بلکہ اس میں تو یہ بیان ہوا کہ فتنوں کے دور میں مسلمان کا بہترین مال کونسا ہوگا اور فتنوں سے دور رہنے کیلئے کونسا عمل بہتر ہوگا؟ اس میں مسلمانوں سے دور اور لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کی قطعاً کوئی ترغیب نہیں دی گئی۔ چنانچہ روئے زمین پر کوئی مسلمان اقامت دین کے حکم سے مستثنیٰ نہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا ہے یعنی اُس وقت ایک خلیفہ کو قائم کرنا جبکہ اس دنیا میں خلافت موجود نہ ہو اور نہ کوئی اللہ تعالیٰ کے محرمات کے تحفظ کے لئے حدود اللہ کو قائم کرنے والا ہو۔ نہ کوئی دین کے قوانین کو نافذ کرنے والا اور نہ مسلمانوں کو 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے جھنڈے تلے ایک کرنے والا ہو۔ چنانچہ جب تک یہ فرض پورا نہ ہو جائے، مسلمان کو اس کیلئے جدوجہد ترک کرنے کی کوئی رخصت نہیں ہے۔

خلیفہ کے قیام کیلئے مسلمانوں کو دی گئی مہلت

خلیفہ کے قیام کے لئے مسلمانوں کو دوراتوں کی مہلت دی گئی ہے۔

کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ دوراتوں سے زائد اس حالت میں گزارے جبکہ اس کی گردن پر کسی (خلیفہ) کی بیعت نہ ہو۔ جہاں تک زیادہ سے زیادہ دوراتوں کی مدت مقرر کرنے کا تعلق ہے تو یہ اس لئے ہے کہ نئے خلیفہ کا انتخاب اسی وقت فرض ہو جاتا ہے جب سابقہ خلیفہ فوت ہو جائے یا معزول کر دیا جائے۔ اگر مسلمان خلیفہ کے تقرر میں مشغول ہوں تو اس صورت میں خلیفہ کے تقرر میں دوراتوں کی تاخیر جائز ہے۔ جب دوراتوں سے زیادہ وقت گزر جائے تو پھر صورتحال کا جائزہ لیا جائے گا۔ اگر مسلمان خلیفہ کے تقرر میں مصروف ہیں اور کچھ سخت مشکلات کے باعث دوراتوں تک اس کام کو سر انجام نہیں دے سکے، جن کو دور کرنے کا کوئی راستہ نہ ہو تو اس صورت میں ان سے گناہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ فرض کی ادائیگی میں مصروف رہے اور انہیں کچھ رکاوٹوں نے تاخیر پر مجبور کیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''میری امت سے غلطی، بھول اور ان افعال کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا جن پر انہیں مجبور کر دیا گیا ہو''۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''رفع عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ''

اگر وہ اس فرض کو ادا کرنے میں مصروف نہ ہوں تو وہ تمام کے تمام اس وقت تک گنہگار ہوں گے جب تک کہ خلیفہ کا قیام عمل میں نہ آ جائے۔ اس صورت میں اقامت خلیفہ کا فرض تو ادا ہو جائے گا لیکن وہ (خلافت کے قیام کیلئے) جدوجہد ترک کرنے کی بناء پر گناہ کے مرتکب ضرور ٹھہریں گے،

جو ان سے ساقط نہیں ہوگا بلکہ ان پر باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر ان کا اسی طرح محاسبہ کرے گا جیسا وہ کسی دوسرے فرض کی عدم ادائیگی کی بناء پر کرے گا۔

اقامت خلیفہ کے فرض کی ادائیگی کے لئے مسلمانوں کو دو راتوں کی مہلت دینے کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے پاس جونہی نبی ﷺ کی وفات کی خبر پہنچی تو وہ آپ ﷺ کے بعد خلیفہ کے تقرر کے معاملہ پر غور وخوض کیلئے فوراً سقیفہ بنوساعدہ میں جمع ہو گئے۔ وہ سقیفہ بنوساعدہ میں برابر بحث کرتے رہے یہاں تک کہ دوسرے دن لوگ بیعت کے لئے مسجد میں جمع ہو گئے۔ یوں اس کام میں دو راتیں اور تین دن گزر گئے۔ اسی طرح جب عمرؓ کو کاری زخم سے اپنی موت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے اہل شوریٰ سے عہد لیا اور ان کے لئے تین دن کی مدت مقرر کی۔ پھر یہ وصیت بھی کی کہ تین روز میں اگر کسی ایک خلیفہ پر اتفاق نہ ہوا تو تین دن گزرنے کے بعد اس مسئلے میں اختلاف کرنے والے کو قتل کر دو۔ انہوں نے اس فیصلے کو نافذ کرنے کی ذمہ داری پچاس افراد پر ڈالی۔ یعنی مخالفت کرنے والے کے قتل کی ذمہ داری۔ باوجود اس کے کہ وہ اہل شوریٰ اور جلیل القدر صحابہؓ میں سے تھے۔ یہ سارا کام صحابہؓ کے سامنے ہوا اور انہوں نے اسے سنا۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ان میں سے کسی نے بھی اس کی مخالفت کی ہو یا انکار کیا ہو۔ پس صحابہؓ کا اجماع تھا کہ خلیفہ کے بغیر مسلمانوں کیلئے دو راتوں اور تین دنوں سے زیادہ وقت گزارنا جائز نہیں اور اجماعِ صحابہؓ بھی کتاب وسنت کی طرح ایک شرعی دلیل ہے۔

وحدت خلافت

دنیا میں مسلمانوں کے لئے ایک سے زیادہ خلفاء کا ہونا جائز نہیں۔

عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''اور جو شخص کسی امام (خلیفہ) کی بیعت کرے تو اسے اپنے ہاتھ کا معاملہ اور دل کا پھل دے دے (یعنی سب کچھ اس کے حوالہ کردے) پھر اسے چاہئے کہ وہ حسب استطاعت اس کی اطاعت بھی کرے۔ اگر کوئی دوسرا شخص آئے اور پہلے خلیفہ سے تنازع کرے تو دوسرے کی گردن اڑا دو''۔

اسی طرح صحیح مسلم میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب دو خلفاء کے لئے بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کردو''۔

مسلم میں عرفجہؓ سے بھی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''تم کسی ایک شخص پر متفق ہو اور کوئی شخص تمہاری صفوں میں رخنہ ڈالنا چاہے یا تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈالے تو اسے قتل کردو''۔

اور اسی طرح مسلمؒ نے ابوحازم سے روایت کیا ہے کہ میں پانچ سال تک ابوہریرہؓ کی صحبت میں رہا اور میں نے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بیان کرتے ہوئے سنا، آپؐ نے فرمایا:

''بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پاتا

دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا، جبکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، بلکہ بڑی کثرت سے خلفاء ہوں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''تم ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کو پورا کرو اور انہیں ان کا حق ادا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں پوچھے گا، جو اُس نے انہیں دی''۔

اگر دو مختلف ملکوں میں ایک ہی وقت میں دو خلفاء کی علیحدہ علیحدہ خلافت قائم کی جائے تو وہ دونوں کیلئے صحیح نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ کسی بھی صورت جائز نہیں کہ مسلمانوں کے دو خلفاء ہوں۔ یہاں یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں سے سبقت لینے والے کی بیعت کی جائے۔ کیونکہ مسئلہ خلافت کا ہے، خلافت کے لئے ایک دوڑ کا نہیں۔ اور اس لئے بھی کہ یہ تمام مسلمانوں کا حق ہے، خلیفہ کا نہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ معاملہ دوبارہ مسلمانوں کی طرف لوٹا دیا جائے تا کہ وہ دو کی جگہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرسکیں۔ اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے کیونکہ خلافت ایک عقد (معاہدہ) ہے اور قرعہ اندازی کا معاہدات سے کوئی تعلق نہیں اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: (فوا ببيعة الاول فالاول) ''ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کو وفا کرو'' کی طرف رجوع کیا جائے۔ کیونکہ خلیفہ کی موجودگی میں کسی اور شخص کو خلیفہ کی بیعت دی جائے تو بیعت صرف پہلے کی ہوگی، جس کی بیعت کا معاہدہ پہلے ہی مکمل ہو چکا تھا اور بعد میں آنے والے کی بیعت بطور معاہدہ شرعاً واقع نہیں ہوگی۔ یہاں اس صورت کی بات ہو رہی ہے کہ جب اہل حل و عقد ایک ہی وقت میں دو خلفاء کی بیعت کرلیں اور اس بیعت میں تمام شرعی

تقاضے بھی پورے ہو رہے ہوں۔ اب دونوں کو ختم کر کے لازماً مسلمانوں کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اگر وہ ان میں سے کسی ایک کی بیعت کرلیں تو اس کی خلافت قائم ہو جائے گی۔ کیونکہ حکومت کا معاملہ تمام مسلمانوں کا معاملہ ہے، نہ کہ صرف ان لوگوں کا، جو اس کو حاصل کرنے کے لئے مدمقابل ہوں۔ جب دو خلفاء کی بیعت کی جائے اور اہل حل وعقد کی اکثریت خلافت وحکومت کے معاملے میں ایک طرف ہو اور انہوں ہی نے اُس کی بیعت کی ہو اور دوسرے خلیفہ کی بیعت کرنے والے تعداد میں کم ہوں تو اس صورت میں بیعت اسی کی معتبر ہوگی، جس کی حکومت پر اہل حل وعقد کی اکثریت بیعت کرے۔ خواہ اس کی بیعت پہلے کی گئی ہو یا بعد میں۔ کیونکہ شرعی طور پر اسے ہی خلیفہ سمجھا جائے گا جسے اہل حل وعقد کی اکثریت نے بیعت دی ہو۔ ان کے علاوہ باقی افراد (جن کی بیعت کی گئی تھی) پر لازم ہے کہ وہ وحدتِ خلافت کی خاطر اس کی بیعت کرلیں ورنہ مسلمان اس سے قتال کریں گے کیونکہ بیعت کا انعقاد تب ہی مکمل ہوتا ہے جب مسلمانوں کی اکثریت بیعت کرے۔ پس کسی مسلمان کے لئے اس قسم کی بیعت کی جائے تو وہ خلیفہ بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی دوسرے شخص کی بیعت حرام ہوتی ہے۔ نیز تمام مسلمانوں پر اس پہلے شخص کی اطاعت بھی فرض ہو جاتی ہے۔

درحقیقت اہل حل وعقد اور وہ لوگ، جن کے ہاتھوں میں حکومتی معاملات ہوتے ہیں، عموماً دارالخلافہ ہی میں ہوتے ہیں کیونکہ یہیں اعلیٰ سطح کے حکومتی معاملات کے فیصلے ہوتے ہیں۔ جب دارالخلافہ کے اہل حل وعقد کسی شخص کی بیعت کرلیں اور کسی ایک صوبے والے لوگ یا کئی صوبوں کے لوگ

دوسرے خلیفہ کی بیعت کریں، نیز دار الخلافہ کے خلیفہ کی بیعت پہلے ہو تو وہی خلیفہ متصور ہوگا کیونکہ دار الخلافہ والوں کی بیعت اس بات کا قرینہ ہے کہ اہل حل وعقد کی اکثریت اس کے ساتھ ہے اور اسی کی بیعت معتبر ہوگی۔ البتہ جب صوبوں میں خلیفہ پہلے چن لیا جائے تو اس صورت میں اسے ترجیح دی جائے گی جس کی طرف اہل حل وعقد کی اکثریت ہو۔ کیونکہ صوبوں کے لوگوں کے سبقت لے جانے سے یہ قرینہ کمزور ہو جاتا ہے کہ دار الخلافہ والے خلیفہ کے ساتھ اہل حل وعقد کی اکثریت ہے۔ بہر حال ایک سے زیادہ خلیفہ کا ہونا جائز نہیں، اگرچہ اس کے لئے اُن لوگوں سے قتال ہی کیوں نہ کرنا پڑے، جن کی خلافت کا معاہدہ شرعاً واقع نہ ہوا ہو۔

خلافت کا نظام ایک منفرد نظام ہے

یہ بحث، یعنی خلافت کی بحث ایک سیاسی نوعیت کی بحث ہے۔ یہ حکومت کے اعلیٰ ترین درجے پر بحث ہے اور جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ اس کے افکار کی بحث ہے۔ یہ ایک فاش غلطی ہوگی کہ ایک غیر مسلم قاری افکار کی صداقت کو حقیقت کے علاوہ کسی اور کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرے۔ اسی طرح مسلمان بھی ان ہی افکار کو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہی کے پیمانے سے جانچیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک فکر کی درستی کو کسی دوسری فکر سے نہیں جانچا جا سکتا، الّا یہ کہ وہ اسی فکر کی فرع ہو۔ اس (فکر) کو یا تو حقیقت کے ساتھ مطابقت، یا اس کے اصل کیساتھ، جو حقیقت سے تصدیق شدہ ہو، موافقت کی بناء پر جانچا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ہم قاری کو خبردار کرنا چاہیں گے کہ ان افکار کو

دقتِ نظر اور اُس حقیقت سے واقفیت کے ساتھ پڑھے، جو یہ (افکار) ظاہر کر رہے ہیں۔ جب وہ اسلامی دنیا کے طول وعرض (مشرقِ وسطیٰ ومشرقِ بعید) اور دنیا کے بہت سے حصوں میں "نظام حکومت" میں مسائل اور پیچیدگیاں محسوس کرتا ہے تو بہتر ہے کہ اسے "نظام حکم" کے یہ (اسلامی) افکار معلوم ہونے چاہئیں، تاکہ اسکے مکمل ادراک کے بعد وہ دنیا میں حکومتی نظام کے بحران کے حل کو سمجھ سکے۔ یہ حل ہی بہترین علاج ہے اور انسانیت پر حکومت اور انکے امور کی دیکھ بھال کیلئے اس سے بہتر کوئی علاج نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی بھی قاری جب اس میں تدبر سے کام لے اور اپنے موضوع کو یہاں تک محدود رکھے کہ آیا یہ افکار کس حد تک حقیقت اور شرعی دلیل سے مطابقت رکھتے ہیں، تو وہ نتیجتاً یقین کرلے گا کہ اس نے لوگوں پر حکومت کرنے کا صحیح طریقہ پالیا ہے۔

اس کتاب (قرآن مجید) کے افکار کی صداقت کو جانچنے کیلئے جمہوریت کو معیار بنانا اور جمہوریت کے افکار سے متاثر ہوکر ان کا مطالعہ کرنا نہایت غلط ہوگا۔ جمہوریت دنیا میں اس حد تک پھیل چکی ہے کہ اس کا نام تمام ریاستوں، افراد اور قوموں پر آئیڈیل نظام کی حیثیت سے چھا چکا ہے۔ مغربی ریاستوں کے اختیار کرنے کے بعد اہل مشرق نے بھی اسے اپنانا شروع کردیا۔ حالانکہ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ مجموعی طور پر تمام مسلمان اس سے متاثر ہوچکے ہیں، ان کا تعلق اس گروہ سے ہو، جو خلافت کا مسلمانوں کے ذریعے قائم ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں یا اُس گروہ سے، جو خلافت کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں (کہ خلیفہ کو اللہ اور اسکے رسول نے متعین کیا) اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ سب کے سب اپنی آراء کو جمہوریت یا

اس کے چند افکار کے نام پر لوگوں تک پہنچا رہے ہیں۔ چنانچہ ہم دوبارہ خبردار کرتے ہیں کہ ان افکار کے مطالعے کے لئے غیر افکار خصوصاً جمہوریت کے افکار کو معیار نہ بنایا جائے۔ مثال کے طور پر بعض لوگوں کا ذکر کیا گیا، جنہوں نے حکومت کے بارے میں تحقیقات کیں، مختلف ممالک میں حکومت کا مشاہدہ کیا، اور تاریخ کو منطقی مفروضات کی بنیاد پر پڑھا، پھر حکومتوں کے بارے میں لکھا:

''اگر حکومت عوام کی اکثریت کے حوالے کی جائے، تو اس کو ''جمہوریت'' کہتے ہیں اگر حکومت کسی محدود اور خاص طبقے کے ہاتھوں میں رہے تو اس کو ''طبقاتی نظام'' کہیں گے۔ اگر حکومت ایک ہی شخص کے سپرد کی جائے اور دوسرے لوگ اختیارات کے بارے میں اس کی طرف رجوع کریں تو اس کو ''بادشاہت' کہا جائے گا''۔

اور حکومت سے وہ مراد اختیار اور قانون سازی دونوں لیتے ہیں۔ اسی بنیاد پر تمام حکومتوں کے ڈھانچے کھڑے ہیں اور اسی بنیاد پر مختلف ممالک اور ممالک کے درمیان اتحاد اور مختلف حکومتیں، انتخابات اور ووٹنگ وغیرہ ظاہر ہوتے ہیں۔

یہ تمام افکار مکمل طور پر غیر اسلامی حکومت کے افکار ہیں، اسلام اور ان کے درمیان بڑا فرق ہے، کیونکہ اسلام کا نظامِ حکومت نظامِ خلافت ہے۔ وہ ہر طرزِ حکومت سے ممتاز ہے۔ پس رعایا کے امور کی دیکھ بھال اور خارجی تعلقات سے متعلق معاملات میں شریعت ہی ہے، جس کو نافذ کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے، نہ کہ لوگوں کی طرف سے۔ نہ یہ کچھ افراد کی جانب سے ہے اور نہ یہ ایک فرد کا معاملہ ہے۔ بلکہ ہر اس فرد کے لئے، جو اسلام پر ایمان

رکھتا ہے، جو عربی زبان اور نصوصِ شرعیہ کو سمجھنے کی وجہ سے اس شریعت کو سمجھتا ہے، اسے عربی زبان اور شرعی نصوص کی حدود کے اندر اور اس کے آس پاس اس چیز کو سمجھنے کا مکمل حق حاصل ہے یعنی جہاں تک اس کا ذہن کام کرے اور اس کی یہ رائے اس پر اور ہر اس شخص پر، جو اس کی رائے کو قبول کرے اور اسے اختیار کرے، شرعی حکم بن جاتا ہے۔ اگر وہ جج یا حکمران ہو تو اسے اس کے مطابق لوگوں پر نافذ کرنے کا حق حاصل ہے۔ خلیفہ، جو اسلامی ریاست کا سربراہ ہوتا ہے، کوئی اسلامی رائے اختیار کرے تو پھر خلیفہ کی اختیار کردہ رائے قانون بن جاتی ہے اور تمام رعایا پر اس رائے کے مطابق عمل کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انہیں اپنی آراء چھوڑنی پڑیں گی۔ اگرچہ ان پر فرض ہے کہ وہ قانون یعنی خلیفہ کی اختیار کردہ رائے کے مطابق عمل کریں اور اس قانون کی تابعداری کریں، لیکن انہیں اپنی آراء کے مطابق لوگوں کو اسلام کی تعلیم دینے اور ان کے مطابق اسلام کی طرف بلانے سے نہیں روکا جائے گا۔ لوگوں کو اس بنیاد کے مطابق غور و فکر کرنے کی اجازت ہے، جس پر اسلام قائم ہے، یعنی اسلامی عقیدہ۔ پس لوگوں کو قانونی اور غیر قانونی موضوعات کے بارے میں سوچنے کی اجازت ہے۔ جس طرح کہ انہیں کسی بھی چیز کے متعلق سوچنے کا حق حاصل ہے مگر ایک شرط کے تحت، اور وہ یہ کہ تمام شرعی افکار لازماً اسلامی عقیدے ہی سے پھوٹتے ہوں۔

یہ تو قانون سازی اور فکری پہلو کے بارے میں بحث تھی، لیکن جہاں تک حکومت کا تعلق ہے تو وہ قانون سازی سے مختلف ہے۔ اس کا مطلب سلطان (اختیار) ہے، نہ کہ "نظامِ حکم" کیونکہ "نظامِ حکم" تشریع (قانون

سازی) سے متعلق ہے اور وہ شرعی احکامات ہیں۔شریعت نے تمام مسلمانوں، یعنی امت کے مرد وزن کو سلطان سونپا ہے، سو ہر مسلمان کا اختیار میں حق ہے، اور ضرورت پڑنے پر وہ اس حق کو استعمال کرسکتا ہے۔امت ''سلطہ'' (اختیار) میں اپنے اس حق کے ذریعے اللہ کی شریعت کو نافذ کرنے کیلئے اپنے اوپر ایک شخص کو مقرر کرتی ہے۔اسے کتاب وسنت پر بیعت دیتی ہے۔وہ بیعت، کہ جس میں فریقین کی مرضی اور اختیار شامل ہوتا ہے۔اس طرح ان کے درمیان خلافت کا عقد طے پاتا ہے، نہ کہ اُجرت کا معاہدہ (عقد اجارہ) ہوتا ہے۔

اگرچہ خلافت اس امت اور انسانیت کیلئے رحمت ہے، لیکن خیال رہے کہ خلافت کا بنیادی مقصد شریعت کا نفاذ ہے، امت کے غیر شرعی مفادات کی حفاظت نہیں۔اگر امت کے غیر شرعی مفادات شریعت کے خلاف ہوں تو صرف شریعت ہی نافذ کی جائے گی۔چنانچہ اگر امت ایک شرعی حکم چھوڑنے کا مطالبہ کرے تو خلیفہ انہیں اس کی بجا آوری پر مجبور کرے گا۔اگر امت شریعت کو چھوڑ دے تو خلیفہ پر ان سے قتال کرنا فرض ہوگا۔یہاں تک کہ وہ شریعت کی طرف واپس آجائیں کیونکہ خلیفہ کو صرف شریعت نافذ کرنے کیلئے مقرر کیا گیا ہے اور امت کے پاس خلیفہ کو اپنی خواہش کے مطابق معزول کرنے کا کوئی حق نہیں، بلکہ اسے معزول کرنے کا حق صرف مخصوص حالتوں میں ہے اور بعض مخصوص حالات میں وہ خود بخود معزول ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں پھر اسے ہٹا دیا جاتا ہے۔اس سے صرف ایک حالت میں قتال کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ کہ جب وہ کوئی غیر اسلامی حکم یا قانون نافذ کرنے کی کوشش کرے۔

اگرچہ خلیفہ کو امت نے مقرر کیا ہے لیکن اس کا معاملہ امت کے ہاتھ میں

نہیں، بلکہ شریعت کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن "سلطہ" جوامت کا حق ہے، خلیفہ کو مقرر کرنے کے ساتھ ختم نہیں ہوتا، بلکہ یہ ہمیشہ اس کے پاس رہتا ہے۔ امت خلیفہ کی موجودگی کی صورت میں اس حق کو اس طرح استعمال کرے گی کہ شریعت کے نفاذ اور امت کے امور کی دیکھ بھال نہ کرنے کی صورت میں خلیفہ کا محاسبہ کرتی رہے اور اس کیلئے وہ مناسب طریقوں کو اپنائے گی، جن کی شرع اجازت دے۔ خلیفہ کا امت کے احتساب کے آگے سر جھکانا فرض ہوگا اور ساری صورتحال کو واضح کرنا ہوگا جس پر امت نے اعتراض کیا حتیٰ کہ اگر امت اس وجہ سے اس کے خلاف ہتھیار اُٹھا لے تو اسے مدافعت میں جنگ کرنے کی بھی اجازت نہیں، جب تک کہ وہ امت کے شکوک کو رفع نہ کردے اور لوگوں کے سامنے اپنا مؤقف واضح نہ کردے۔[2]

یہ ہے اسلام میں اقتدار کی حقیقت! اور اسی بنیاد پر نظام حکم قائم ہے۔ یہ بنیاد ریاستوں کی دیگر فروعی اقسام کو جنم نہیں دیتی، بلکہ اس کی ایک ہی شکل ہے۔ یہ وحدت کا نظام ہے، اتحاد کا نہیں۔ یہ وحدت کے نظام کی حفاظت اور اتحاد کے نظام کو ختم کرنے کی جدوجہد کو فرض قرار دیتا ہے۔ اس میں حکومت کی متعدد اقسام نہیں۔ درحقیقت اس میں کوئی حکومت ہے ہی نہیں، کیونکہ ریاست اور حکومت ایک جسم ہے، جو خلیفہ اور اس کے معاونین پر مشتمل ہے۔ جہاں تک اس نظام کی فروعیات کا تعلق ہے تو خلیفہ کے تقرر کا طریقہ، مسلمانوں کو اپنی مرضی اور اختیار سے خلیفہ کو چننے اور اس سے بیعت لینے کے حق کی ضمانت، نیز امت کے ہر فرد کیلئے اس رضا اور اختیار کا حق فراہم کرنا، یہ سب کے سب شرعی احکام ہیں۔ ان میں سے کچھ احکام خلافت کے موضوع کے ساتھ خاص ہیں اور

کچھ احکام تمام عقود کیلیئے عام ہیں، بشمول خلافت کے عقد کے۔ ممکن ہے کہ خلافت کا نظام انتخاب کی آزادی، ووٹنگ اور رائے کی آزادی کے حوالے سے جمہوری نظام کے مشابہ محسوس ہو۔ مگر دونوں نظاموں کو مشابہ سمجھنا فاش غلطی ہوگی۔ کیونکہ جمہوری نظام میں یہ امور آزادیوں سے اخذ شدہ ہیں جبکہ اسلام میں یہی امور خلافت کے معاہدے، نیز تمام معاہدوں کے لئے دی گئی شرائط سے اخذ شدہ ہیں۔ یعنی رضامندی اور اختیار، جو خلافت کے معاہدے میں پورا نہ ہو، تو معاہدہ باطل ہوگا اور خلیفہ شرعاً قائم متصور نہ ہوگا۔ انتخابات میں آزادی کو یقینی بنانے اور معاہدے میں رضامندی اور اختیار کو یقینی بنانے میں بڑا فرق ہے کہ آزادی لوگوں کا فیصلہ ہے۔ اگر یہ حاصل نہ ہو تو یہ معاہدے کے قانونی ہونے پر اثر انداز ہوگا لیکن رضامندی اور اختیار کی ضمانت معاہدہ کا شرعی حکم ہے، لوگوں کو فیصلہ نہیں۔ سو اگر یہ حاصل نہ ہوا تو معاہدہ باطل ہوگا اور شرعاً وقوع پذیر ہی نہ ہوگا۔ اس طرح اسلام کے تمام افکار جمہوریت کے افکار سے مختلف ہیں لہٰذا جب (اقتدار کے حوالے سے) اسلامی افکار کا مطالعہ کیا جائے تو اس کو بحثیت ایک نظامِ حکم کے لیا جائے، جو تمام نظاموں سے منفرد ہے۔ اس نقطہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ یہ کس قدر اقتدار کی حقیقت سے مطابقت رکھتا ہے اور کسی بھی عام اقتدار کے ساتھ نہیں، بلکہ ایک مخصوص اقتدار کی حقیقت کے ساتھ اور اس اقتدار سے، جس سے انسان پوری انسانیت پر اعلیٰ ترین اقتدار کے ذریعے عملی طور پر حکومت کرتا ہے یا شرعی حکم کے پہلو کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس کا مطالعہ کریں، جہاں سے یہ احکام اور افکار مستنبط کیۓ گئے ہیں۔

اس بنیاد پر ہم قاری سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ اس سیاسی بحث کو مکمل طور

پر ایک ایسے نظامِ حکم کے طور پر پڑھے، جو دوسرے نظاموں سے متمیز ہے اور ان افکار کی صحت جانچنے کے لئے ان دو معیاروں کے علاوہ اور کسی شئے کو معیار نہ بنائے اور یہ کہ کیا یہ افکار اس نظامِ حکم کی حقیقت کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں، جو انسانی تاریخ میں اعلیٰ و اعرف ترین ہیں اور آیا کہ یہ افکار اُس بنیاد کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں، جس سے ان کا استنباط کیا گیا ہے، یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم *۔

□○□

* ماخوذ از کتابچہ "خلافت" شائع کردہ حزب التحریر

← جمہوریت

جمہوریت عوام کے ذریعے عوام پر عوامی (اقلیت کی طرف سے منتخب نمائندے) نمائندوں کی حکومت کا نام ہے۔ جمہوری نظام کی بنیاد "ان الحکم الاللناس" عوام ہی کے پاس اقتدار اعلیٰ، اختیار اور قیادت ہو، اور عوامی نمائندے ہی قانون ساز ہیں۔ خودساختہ قوانین کو نافذ کرنے کی قوت بھی ان ہی کے پاس ہوتی ہے۔ پورا معاملہ کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ عوامی نمائندے خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو خالصتاً بے دین (سیکولر) بنیادوں پر قانون سازی کرتے ہیں۔ عدالتیں ان قوانین کی تعبیر وتشریح اور ان ہی کی بنیاد پر فیصلہ کرتی ہیں اور پولیس اور دیگر Law Enforcing Agencies ان بے دین قوانین کی حفاظت وتنفیذ کرتی ہیں۔ اور ملک و ریاست کا ہر باشندہ ان ہی انسان ساختہ قوانین کی پیروی کا پابند ہوتا ہے۔

جمہوری نظام میں عوام خود اپنے سربراہ ہیں، لہٰذا ان کا کوئی دوسرا سربراہ نہیں ہے۔ چنانچہ قانون ساز بھی وہی ہیں، جو قانون بنانا چاہیں بنائیں اور جس

قانون کو ختم کرنا چاہیں ختم کر دیں۔ ظاہر ہے عوام خود یہ کام تو کر نہیں سکتے اس لئے طریقہ یہی ہے کہ عوام کے نمائندے ہی یہ کام کرتے ہیں جمہوری نظام میں عوام ہی طاقت کا سرچشمہ ہیں۔ پس عوام ہی حکمران اور وہی قانون ساز ہیں۔

"جمہوریت کا یہ نظام کفر ہے، کیونکہ یہ انسان کا وضع کردہ نظام ہے، شریعت کا حکم نہیں لہٰذا اس نظام کے ذریعے حکومت کرنا کفر کے ساتھ حکومت کرنا ہے۔ اور اسی طرح اس کی طرف دعوت دینا کافرانہ نظام کی طرف دعوت دینا ہے۔ سیکولر جمہوری نظام کے لئے ہونے والے انتخابات میں بحیثیت امیدوار، ووٹر یا کسی اور حیثیت میں حصہ لینا جائز نہیں ہے۔"

جمہوری نظام اسلامی احکامات کے خلاف ہے اور مسلمان اپنے تمام اعمال میں اللہ کے احکامات کی پابندی کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ مسلمان اللہ کا بندہ ہے چنانچہ اس کے ارادے بھی اللہ کے احکام کے تابع ہونے چاہئیں۔ امت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے ارادوں کو اپنی خواہشات کے تابع کرے۔ کیونکہ انہیں حاکمیت حاصل نہیں۔ حاکمیت تو اللہ کو حاصل ہے۔ قانون ساز صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ امت کو قانون سازی کا کوئی حق نہیں ہے۔ انسان کو اللہ کے قانون کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ قانون وضع کرنے کیلئے جیسا کہ سیکولر جمہوری نظام والی اسمبلیوں میں انسان قانون سازی کرتے ہیں۔ اگر پوری امت بھی جمع ہو کر اللہ کے کسی حرام کئے ہوئے کو حلال کرنا چاہے پھر بھی نہیں کر سکتی۔ مثلاً سود، زنا (بالرضا ہی کیوں نہ ہو) شراب اور جوا وغیرہ حرام ہے ان چیزوں کو پوری امت بھی قانون سازی کے ذریعے حلال نہیں کر سکتی۔ ان احکامات کے مقابلے میں پوری امت کے

اجماع کی بھی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کو نافذ کرنے کا حق امت کو تفویض کیا ہے۔ یعنی مسلمان نہ تو خود قانون سازی کر سکتے ہیں نہ برضا انسان ساختہ قوانین کی پیروی کر سکتے ہیں۔ امت کو اپنے حاکم کے انتخاب اور اس کے تقرر کا حق حاصل ہے تا کہ وہ ان کی طرف سے ان پر اللہ تعالیٰ کے احکامات نافذ کرے اور حاکم (خلیفہ) کے تقرر کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے بیعت کی صورت میں بتا دیا ہے اور اسی سے حاکمیت اور اختیار کا فرق بھی معلوم ہوتا ہے۔ حاکمیت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور انتخاب خلیفہ کا اختیار امت کو۔

سیکولرازم

سیکولرازم مغربی ممالک اور امریکہ کا نظریہ ہے اور یہ نظریہ دین کو حکومت و سیاست سے جدا رکھنے کے اصول پر قائم ہے۔ اس کا کلمہ دع لِقیصر لِقیصر وما لِلّٰہ لِلّٰہ ہے ''قیصر کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی کے پاس رہنے دو اور جو اللہ کے لئے ہے وہ اس کیلئے رہنے دو''۔

اس لئے اس نظریہ میں زندگی کے نظاموں کو انسان وضع کرتا ہے۔ یہ نظریہ کفر ہے اور اسلام کے بالکل خلاف ہے کیونکہ شارع اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی اکیلا ہے، جس نے انسانیت کیلئے نظام وضع کیا ہے۔ حکومت کو اسلامی احکامات کا حصہ بنایا اور یہ لازم کیا کہ زندگی کے تمام امور کو شریعت کے احکامات کے مطابق سنوارا جائے۔ اسی لئے مسلمانوں پر حرام ہے کہ وہ سیکولرازم کو اپنائیں اس کے افکار و قوانین کو اختیار کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نظریہ کفر ہے اور اس کے قوانین بھی کفریہ ہیں، جو اسلام سے متصادم ہیں۔

سیکولرازم کی بنیاد اس وقت مغرب میں پڑی جب یورپ اور روس کے کلیسا اور فرمان روا عوام کے استحصال، ان پر ظلم اور ان کا خون چوسنے کیلئے دین

کو ذریعہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔اس کام کیلئے وہ رجالِ دین کو ذریعہ
کے طور پر استعمال کرتے تھے۔اس کے نتیجے کے طور پر ایک خوفناک قسم کی
کشمکش اور تصادم برپا ہوگیا۔اس دوران ایسے فلاسفر اور اربابِ فکر پیدا ہوئے
جنہوں نے دین کا سرے سے ہی انکار کردیا۔ان میں سے کچھ لوگ اگرچہ دین
کے معترف تھے لیکن وہ دین کو اجتماعی زندگی سے الگ کرنے کے قائل تھے۔
یہاں تک کہ اکثر فلاسفر اور مفکرین اس رائے پر متفق ہوگئے کہ دین کو اجتماعی
زندگی سے الگ کر دیا جانا چاہئے یعنی مذہب کلیسا اور سینیگاگ کی چاردیواری
سے باہر انسان کی اجتماعی زندگی میں دخیل نہ رہے۔بالکل جس طرح مسلم دنیا
میں آج کل اسلام کو مساجد میں مقید کر دیا گیا ہے*۔اس سے ایک طبعی نتیجہ کے
طور پر دین ریاست وسیاست، معیشت ومعاشرت، عدلیہ ونظام تعلیم سے بھی
الگ کردیئے جانے کا نقطہ نظر پیدا ہوگیا۔ان کے نزدیک یہ رائے پختہ ہوگئی کہ
مذہب کے اعتراف یا اس کے انکار کی بحث میں پڑنا ہی نہیں چاہئے اور بات
صرف اس نقطہ تک ہی محدود ہوگئی کہ دین کو لوگوں کی اجتماعی زندگی سے جدا کردینا
بہرحال ضروری ہے۔پھر یہ فکر اُن رجالِ دین کے جو ہر چیز کو دین کے نام پر اپنے
ماتحت رکھنا چاہتے تھے اور ان فلاسفر اور اربابِ فکر کے جو دین اور رجالِ دین
کے غلبہ وحکومت کے منکر تھے، مابین ایک درمیانی حل Compromise
قرار پایا جس کو Secularism کہا گیا۔اس طرح اس بعد میں آنے والے
گروہ نے مذہب کے انکار پر اصرار کرنا چھوڑ دیا اور اس کو انسان کا انفرادی مسئلہ
قرار دیا گیا اور مزید "وسعت قلبی" کا مظاہرہ اس وقت کیا گیا جب سیکولرازم کی

* تفصیل کیلئے دیکھئے فقیر کی تالیف "ولادت سے عدالت تک"

بدعت مسلم دنیا کی طرف منتقل کی گئی۔اس طرح کہ ''محمدن یا مسلم پرسنل لاء''
سیکولر عدلیہ میں رائج کیا گیا تاکہ مسلمان مکمل نفاذ شریعت کے مطالبے پر مصر نہ
رہیں۔غرض یہ طے پایا کہ انسان کی اجتماعی زندگی میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں
ہوگا۔چنانچہ اس طرح آخر کار مذہب کو انسان کی اجتماعی زندگی سے بالکل جدا کر
دیا گیا۔پس وہ عقیدہ جس کو پورے مغرب نے اور پچھلی ایک صدی سے اکثر مسلم
ممالک نے قبول کر رکھا ہے وہ یہی دین کا ریاست وسیاست سے جدا ہونے کا
عقیدہ ہے۔یہی عقیدہ وہ فکری قاعدہ ہے جس پر ان کے تمام افکار قائم ہیں اسی
سے انسان کیلئے فکر، جمیعت اور زندگی کے بارے میں اس کے نقطہ نظر کا تعین ہوا
ہے اور اسی بنیاد پر زندگی کی تمام مشکلات حل کی جاتی ہیں۔یہی وہ فکر ہے جس کا
مغرب علمبردار ہے مسلم ممالک پر ان کے مسلط کردہ حکمران محافظ ونگراں ہیں۔

= 1924ء کے بعد امت مسلمہ کو جن دو ملحدانہ نظریات نے سب سے
زیادہ نقصان پہنچایا ہے وہ وطنیت اور سیکولرازم ہی ہیں۔ملحد سیکولر جمہوری نظام
کے تحت زندگی گذارنے والے مسلمانوں سے دین کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اس
طاغوتی نظام کو بزور تبدیل کرتے اگر ان میں اسکی طاقت واستطاعت نہیں پھر قلماً
ولساناً اس نظام کو تبدیل کرنے کی سعی کرتے۔اگر یہ قوت وصلاحیت بھی ان میں
نہیں پھر کم سے کم دلوں میں ہی اس باطل نظام کے متعلق نفرت رکھتے۔مگر
یہاں صورتحال یہ ہے کہ اس باطل سیاسی نظام پر آج مسلمان مطمئن ہی نہیں
بلکہ اس کے معاون بنے ہوئے ہیں۔عام مسلمانوں کی کیا بات کریں۔
سیکولرازم کی پاسداری میں دینی مدارس سے فارغ التحصیل اکثر اکابر مسلمان بھی
کھڑے ہیں۔

کمیونزم

کمیونزم ایک مادی مبدا ہے جو مادے کے علاوہ ہر چیز کے انکار کی بنیاد پر قائم ہے۔اس کا دعویٰ ہے کہ مادہ ازلی ہے۔اس کا کوئی اول و آخر نہیں یہ کسی خالق کی مخلوق بھی نہیں اور خالق کا بھی کوئی وجود نہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن کا بھی کوئی وجود نہیں۔وہ دین کو عوام اور اقوام کیلئے ایک افیون قرار دیتے ہیں۔

یہ ایک مادی مبدا ہے جو مادی اور تاریخی ترقی کے نظریے پر قائم ہے۔ چنانچہ مادہ ہی اشیاء کی بنیاد ہے اور اشیاء کا صدور مادہ ہی کا مرہون منت ہے اور ترقی کے طریقے مادے سے پیدا ہوتے ہیں۔اس میں نظام آلات پیداوار سے اخذ کیا جاتا ہے اور نظام آلات پیداوار کی ترقی سے ترقی کرتا ہے۔اس میں معاشرہ ایک عوامی مجموعہ ہے، جو زمین، ذرائع پیداوار، فطرت اور انسان پر مشتمل ہے۔ یہ سب شے واحد ہیں اور یہ شئے واحد ایک مادہ ہے جب طبیعت اور جو کچھ اس میں ہے، ترقی کرتا ہے، تو اس کے ساتھ انسان بھی ترقی کرتا ہے

اور پھر پورا معاشرہ ترقی کرتا ہے۔ اس وجہ سے اس (مبدا) میں معاشرہ ترقی کے سامنے سرنگوں ہے۔ جب معاشرہ ترقی کرتا ہے تو فرد بھی اس کے ساتھ ترقی کرتا ہے۔ چنانچہ وہ (فرد) اس (معاشرے) کے گرد اس طرح گھومتا ہے جس طرح پہیہ گراری کے گرد۔ کمیونزم ذرائع کی پیداوار کی انفرادی ملکیت بھی روکتا ہے اور ان کو ملک کی ملکیت قرار دیتا ہے۔

کمیونزم ایک کفریہ مبدا ہے اس کے افکار کفریہ ہیں، اس کا نظام کفر ہے اور وہ اسلام کے ساتھ کلی اور جزوی لحاظ سے متناقض ہے۔ کیونکہ اسلام نے کہا اور اس کو ثابت کیا کہ مادہ مخلوق ہے ازلی نہیں اور وہ فانی بھی ہے۔ انسان اور کائنات اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب ایک خالق کی مخلوق ہیں اور نظام خالق ہی کی طرف سے ہوگا نہ کہ مخلوق کی طرف سے اور معاشرہ انسان، افکار، احساسات اور نظاموں کا مجموعہ ہے۔ معاشرے کی شناخت وہاں کے رائج نظام سے ہوتی ہے چنانچہ جس معاشرے میں اسلامی نظام نافذ ہوگا وہ معاشرہ اسلامی کہلائے گا، چاہے وہاں پر موجود ذرائع پیداوار کی نوعیت کچھ بھی ہو اور جس معاشرے میں سرمایہ دارانہ نظام نافذ اور رائج ہوگا۔ اس کو سرمایہ دارانہ معاشرہ کہا جائے گا اور جس معاشرے میں کمیونزم کا نظام نافذ ہوگا وہ کمیونسٹ کہلائے گا۔ باوجودیکہ اس میں جو ذرائع پیداوار ہیں سرمایہ دارانہ معاشرے میں بھی بعینہ وہی ذرائع پیداوار ہیں۔

□○□

اسلامی حکومت کے قواعد

اسلام نے یہ کہہ کر اسلامی حکومت کی حدود متعین کر دیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق ہوگی۔ ارشادِ ربانی ہے:

وان احکم بینھم بما انزل اللہ ولاتتبع اھواء ھم واحذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ الیک (المائدہ:۴۹)

"اور یہ کہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے محتاط رہیں کہ کہیں یہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (بعض احکامات) کے بارے میں آپ کو فتنے میں نہ ڈال دیں"۔

اور فرمایا:

فاحکم بینھم بما انز اللہ ولاتتبع اھواء ھم عما جاء ک من الحق (المائدہ:۴۸)

"پس ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے، اس کے مقابلے میں ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں"۔

پس ہر حکومت اللہ تعالیٰ کے ان نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلے کرنے کی پابند ہے، یعنی کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے مطابق۔ یہی اسلامی شرعی حکومت ہے یعنی یہی اسلامی شرعی اقتدار ہے۔

اسلام میں نظام حکومت کی تشکیل

اسلام نے نظام حکوم کے لئے خلافت کو متعین کر دیا اور صرف اسی کو دنیا کے لئے نظام حکومت قرار دے دیا۔ مسلمؒ نے ابو حازمؒ سے روایت کی ہے انہوں نے کہا "میں نے ابو ہریرہ کے پاس پانچ سال گزارے اور ان کو سنا، وہ نبیؐ سے یہ حدیث بیان کرتے تھے:

"بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا، جبکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، بلکہ بڑی کثرت سے خلفاء ہوں گے"۔

اس معاملے میں یہ حدیث واضح ہے کہ رسول اللہؐ کے بعد اسلامی نظام حکومت خلافت کی شکل میں ہوگا۔ اس کے علاوہ اس کی تائید میں کئی اور احادیث ہیں، جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں نظام حکومت صرف خلافت ہے جیسا کہ یہ حدیث: (سیکون بعدی ایمة) "میرے بعد آئمہ ہوں گے" اور یہ حدیث: (اذا بویع للخلیفتین) "جب دو خلفاء کے لئے بیعت کی جائے" وغیرہ بلکہ کئی احادیث ایسی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی

ہیں کہ اسلام کا نظام حکومت صرف خلافت ہی ہے۔

خلیفہ کے تقرر کا طریقہ:

اسلام نے خلیفہ کے تقرر کا طریقہ متعین کر دیا ہے جو بیعت ہے۔ نافعؒ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمرؓ کو سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(ومن مات وليس فی عنقه بيعة،مات ميتة جاهلية)

''اور جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (خلیفہ کی) بیعت (کا طوق) نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا''۔

اور عبادہؓ بن الصامت فرماتے ہیں کہ:

''ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پسند اور ناپسند (دونوں حالتوں میں) سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی اور اس بات پر کہ ہم اولوالامر کے ساتھ نزاع نہیں کریں گے اور ہم حق کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں گے، یا حق بات کہہ دیں گے جس حالت میں بھی ہوں گے اور اللہ کے معاملے میں کسی بھی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے''۔

ایک اور حدیث میں ہے:

''جب دو خلفاء کے لئے بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو''۔

یہ تمام احادیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ خلیفہ کو منصب پر فائز کرنے کا طریقہ بیعت ہے اور اجماع صحابہ بھی اسی پر ہے۔اس لئے جو بھی حکومت یا اقتدار خلافت کے نظام پر قائم ہو، اس میں خلیفہ کا تقرر بیعت کے

ذریعے ہوا ہو اور حکومت اللہ کے نازل کردہ احکامات یعنی کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے مطابق کی جارہی ہو، وہی اسلامی شرعی حکومت یا اسلامی شرعی اقتدار ہے۔ مسلمان جو بھی خلیفہ مقرر کریں اور اس کی بیعت کریں، وہ شرعاً خلیفہ اور واجب الاطاعت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بادشاہی نظام اسلامی نظام نہیں۔ اسلام بادشاہی نظام کی بالکل اجازت نہیں دیتا، چاہے بادشاہ برائے نام ہی ہو، جیسا کہ برطانیہ اور ہسپانیہ وغیرہ میں ہے۔ کیونکہ خلیفہ برائے نام نہیں ہوتا بلکہ وہ حکمران، شریعت کو نافذ کرنے والا اور امت کا ایک نمائندہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بادشاہ اگرچہ حاکم اور سربراہ بھی ہو، جیسا کہ سعودی عرب اور اردن وغیرہ میں ہے۔ کیونکہ خلافت بادشاہت کی طرح کسی کو میراث میں نہیں بلکہ لوگ اس کا انتخاب کرتے ہیں اور اس کی بیعت کرتے ہیں۔ چنانچہ اسلام کا نظامِ حکم میراث کے طور پر حاصل کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح ایک خلیفہ کا کسی عام مسلمان سے بڑھ کر کوئی مخصوص حق نہیں ہوتا۔ وہ قانون سے بالاتر نہیں جبکہ بادشاہ لوگ اپنے آپ کو احتساب سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ خلیفہ تو اللہ کے احکامات کا پابند ہے۔ اس کے تصرفات میں اس کا محاسبہ بھی ہوگا۔

اس طرح جمہوری نظام بھی ایک غیر اسلامی نظام ہے۔ اسلام اس کی بالکل اجازت نہیں دیتا۔ چاہے یہ صدارتی نظام ہو، جیسا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ہے، یا پارلیمانی نظامی ہو، جس طرح کہ جرمنی میں ہے۔ کیونکہ جمہوری نظام اس ڈیموکریسی کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے جو حکومت کو عوام کا حق سمجھتی ہے۔ جبکہ خلافت کے نظام کی بنیاد یہ ہے کہ حکمرانی شرع کی ہے۔ چنانچہ خلیفہ کو

صرف حکمِ شرع ہی معزول کرسکتا ہے یعنی جب وہ شرع کی مخالفت پر اُتر آئے تو اُسے معزول کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اس کی اتھارٹی صرف محکمۃ المظالم کے پاس ہے کہ وہ خلیفہ کے خلافِ شرع امور کے ارتکاب کی وجہ سے اسے معزول کرے کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

یا ایھا الذین آمنو اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ و الرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر...

"اے ایمان والو! اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر (حکمرانوں) کی بھی۔ اگر کسی معاملے میں تم آپس میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو" (النساء:۵۹)

اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی طرف لوٹا دو اور یہ محکمۃ المظالم ہی ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کو عملی جامہ پہناتا ہے۔ اس کے برعکس کسی جمہوریہ کے صدر کو وہاں کے عوام معزول کر سکتے ہیں، کیونکہ جمہوریہ میں حاکمیت عوام ہی کے پاس ہوتی ہے۔

خلیفہ کا تقرر کسی خاص اور معین وقت تک کے لئے نہیں ہوتا بلکہ وہ اس وقت تک خلیفہ ہے جب تک اسلام نافذ کرے۔ اگر وہ اسلام نافذ نہ کرے تو اس کو معزول کیا جائے گا، خواہ اس کے تقرر کو ایک مہینہ بھی نہ ہوا ہو جبکہ کسی جمہوریہ کا صدر ایک مقررہ مدت تک اپنے عہدے پر برقرار رہتا ہے۔ اس کے

علاوہ پارلیمانی نظام میں جمہوریہ کے صدر کے ساتھ وزیر اعظم بھی ہوتا ہے اور صدر صرف برائے نام ہوتا ہے۔ وہ کوئی حکم صادر نہیں کرسکتا اور اصل حاکم وزیر اعظم ہوتا ہے جبکہ خلیفہ خود حاکم ہوتا ہے، وہی براہ راست حکم دیتا ہے اور وہی حکم کو نافذ کرتا ہے اس کے ساتھ حکومت کرنے کیلئے کسی قسم کے وزراء نہیں ہوتے۔

صدارتی نظام میں اگرچہ صدر ہی براہِ راست حکم دیتا ہے، لیکن اس کے ساتھ بااختیار وزراء بھی ہوتے ہیں اور وہ صدر کے قائمقام ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف خلافت کے نظام میں خلیفہ ہی براہ راست حکومت کرتا ہے اور جو اس کے ساتھ ہوتے ہیں، وہ صرف معاونین ہوتے ہیں۔ جمہوری نظام کے برعکس خلیفہ جب ان کا سربراہ بنتا ہے، تو وہ بحیثیت خلیفہ سربراہ ہوتا ہے، نہ کہ حکومتی ادارے کے سربراہ کی حیثیت سے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوری نظام اور خلافت کے نظام میں بڑا فرق پایا جاتا ہے لہذا کسی اسلامی ملک کو اسلامی جمہوریہ کہنا درست نہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ 'اسلام میں جمہوریت ہے' بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اسلام اور جمہوریت کے درمیان مکمل تناقض اور تضاد ہے۔

خلافت کا ایک ہونا:

اسلام کا حکومتی نظام، جو خلافت کا نظام ہے، یہ وحدت کا نظام ہے۔ یعنی ریاست واحد کا، نہ کہ (مختلف ریاستوں کے) اتحاد کا اور تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے ایک وقت میں ایک سے زیادہ اسلامی ریاست کا ہونا جائز نہیں۔ اسی طرح ایک خلیفہ سے زیادہ کا ہونا بھی جائز نہیں۔ جو ان پر کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کو نافذ کرے، یعنی شریعت کا نفاذ کرے۔ کیونکہ شریعت نے اسی

کا حکم دیا ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت بالکل جائز نہیں جیسا کہ عبد اللہؓ بن عمروؓ بن العاص کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''اور جو شخص کسی امام (خلیفہ) کی بیعت کرے تو اسے اپنے ہاتھ کا معاملہ اور دل کا پھل دے دے (یعنی سب کچھ اس کے حوالہ کر دے)، پھر اسے چاہئے کہ وہ حسب استطاعت اس کی اطاعت بھی کرے۔ اگر کوئی دوسرا شخص آئے اور پہلے خلیفہ سے تنازع کرے تو دوسرے کی گردن اڑا دو''۔

اور یہ حدیث بھی ہے جو ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا:

''جب دو خلفاء کے لئے بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو''۔

اور عرفجہؓ سے بھی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''تم متحد ہو اور کوئی شخص تمہاری صفوں میں رخنہ ڈالنا چاہے یا تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈالے تو اسے قتل کر دو''۔

ان سب احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کا ایک سے زیادہ خلیفہ ہونا جائز نہیں۔ ایک خلیفہ کی موجودگی کی صورت میں یا ایک کی بیعت کئے جانے کے بعد دوسرے کی بیعت کی جائے، تو پہلا خلیفہ ہی برقرار ہوگا اور دوسرے کو قتل کیا جائے گا، الا یہ کہ وہ خود معزول اور دستبردار ہو جائے۔ ایک خلیفہ کی موجودگی میں کوئی دوسرا خلافت کا دعویٰ کرے یا مسلمانوں کو تقسیم

کرنے کیلئے نزاع کرے تو اسے قتل کرنا واجب ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ مسلمانوں کی ایک سے زیادہ ریاست کا ہونا جائز نہیں اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی یہ ریاست وحدت کی بنیاد پر ہوگی، نہ کہ اتحاد کی بنیاد پر (یعنی کئی ریاستوں کا اتحاد ہو)۔

اسلامی حکومت کے قواعد:

۱. اقتدار اعلیٰ اللہ کو حاصل ھے، امت کو نہیں:

مسلمان یا مسلم امت اپنے ارادے کی خود مالک نہیں بلکہ ایک مسلمان فرد اور امت کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کے تابع ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم..

"(اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک کہ یہ آپ کو اپنے اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں"

(النساء:۶۵)

ارشاد باری ہے:

وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللہ و رسوله امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم (الاحزاب: ۳۶)

"اللہ اور اس کا رسول جب کوئی فیصلہ کریں تو کسی مومن مرد یا عورت کیلئے اس فیصلہ میں کوئی اختیار نہیں"۔

اسی طرح ارشاد ہے:

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی

الامر منکم فان تنازعتم فی شیئً فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر.....

''اے ایمان والو! اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر (حکمرانوں) کی بھی۔ اگر کسی معاملے میں تم آپس میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔'' (النساء:۵۹)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کی (تمام) خواہشات اُس دین کے تابع نہ ہوں جسے میں لے کر آیا ہوں''۔

ان دلائل سے یہ واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ بالادستی (اقتدار اعلیٰ) شریعت کی ہے، امت کی نہیں۔

۲. حکومت امت کی ہوگی:

یہ بات واضح ہے کہ اختیار یعنی حکومت اس طرح امت کی ہوگی جس طرح کہ شریعت نے خلیفہ کے تقرر کا طریقہ بیعت کے ذریعے بتایا ہے۔ اسی بیعت کے ذریعے سے خلیفہ منصب حکمرانی پر فائز ہوگا اور امت کے ایک نمائندے کی حیثیت سے حکومت کرے گا۔ اس بات سے کہ خلیفہ بیعت ہی کے ذریعے سے حکمران بن سکتا ہے۔ یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حکومت امت کی ہے جسے امت چاہتی ہے دے دیتی ہے۔ جس طرح کہ کئی واضح اور صریح احادیث میں ہے کہ امت ہی امیر کا انتخاب کرتی ہے اور اس کی بیعت کرتی ہے

چنانچہ عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"تین آدمی اگر کسی بیابان میں بھی ہوں تو ان کیلئے بغیر امیر کے رہنا جائز نہیں بلکہ وہ ایک کو اپنا امیر بنائیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امارت امت کی ہے اور بیعت کے بارے میں گزشتہ احادیث میں بھی یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ یہ امت کی جانب ہی سے ہوئی۔

۳.تمام مسلمانوں پر حکومت کرنے کیلئے اپنے نمائندے کی حیثیت سے ایک خلیفہ کا تقرر فرض ہے۔

خلیفہ کے تقرر اور اپنے اس امیر کی اطاعت کی فرضیت کے بارے میں کئی احادیث کا ذکر ہو چکا ہے۔اجماع صحابہؓ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

۴.صرف خلیفہ کو ہی احکام شرعیہ کو نافذ کرنے کا حق حاصل ہے۔

یہ بات اجماع صحابہؓ سے ثابت ہے کہ صرف خلیفہ ہی کو احکامات کو نافذ کرنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ یہ قواعد اجماع صحابہ ہی سے اخذ کئے گئے ہیں:

۱. **امر الامام یرفع اخلاف**

امام کا حکم اختلاف کو ختم کرتا ہے۔

۲. **امر السلطان نافذ**

سلطان (شرعی اقتدار کا حامل امیر) کا حکم نافذ ہوتا ہے۔

دینی جماعت کی ضرورت

اور تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہئے جو خیر کی طرف دعوت دے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرے در حقیقت یہی لوگ کامیاب ہیں۔ (آل عمران:۱۰۴)

دینی جماعت وہ جماعت ہوتی ہے جو دینی عقیدے پر قائم ہو اور جو اسلامی افکار و نظریات کی حامل ہو، زندگی کے ہر شعبے کے متعلق قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رہنمائی حاصل کرتی ہو اور تمام مسائل کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل کرتی ہو اور خدمت دین کے لئے اس کا منہج سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ کار ہو۔ جو جماعت اسلامی عقیدے پر قائم نہ ہو، اس کا نصب العین اسلامی نہ ہو، اس کا طریقہ کار اسلامی نہ ہو وہ اسلامی جماعت نہیں ہو سکتی خواہ وہ مسلمانوں کی ہی جماعت کیوں نہ ہو، مسلمان ہی اس کی قیادت کیوں نہ کرتے ہوں ایسی غیر اسلامی فکر و نظر (سیکولرازم، سوشلزم، کمیونزم، نیشنلزم وغیرہ) پر قائم جماعتوں کے ساتھ وابستہ

ہونا یا ان کی کسی بھی طرح اعانت کرنا اور شرعاً جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ صرف اسلام ہی اس کائنات میں صحیح ترین مبدا اور فطرتِ انسانی کے موافق عالمگیر نظریہ ہے۔ اور جو انسان کے ساتھ بحیثیت انسان معاملہ کرتا ہے اور نہ صرف اس کی جسمانی، عضویاتی اور فطری ضرورتوں کو پورا کرتا ہے، بلکہ ان کو صحیح طور پر منظّم بھی کرتا ہے۔ ان کو بالکل کھلا چھوڑ دیتا ہے اور نہ بالکل ختم کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا جامع نظام ہے جو زندگی کے تمام امور کو منظّم کرتا ہے اور اس لئے بھی کہ ہم یہ اعلان کرر ہے ہیں:

> آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کیلئے ہے جو سارے جہاں کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔ (الانعام:۱۶۲،۱۶۳)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر لازم کیا ہے کہ وہ اسلام کے تمام احکامات پر کاربند رہیں۔ خواہ ان کا تعلق ان کے خالق سے ہو مثلاً عقائد اور عبادات سے متعلق احکامات، یا ان کا تعلق اُن کی اپنی ذات سے ہو جیسے اخلاق، کھانے پینے اور پہننے کے احکامات یا پھر ان کے علاوہ دیگر احکامات ہوں مثلاً معاملات، معاشرت، معیشت وغیرہ سے متعلق احکامات۔ اللہ نے مسلمانوں پر یہ بھی فرض کیا ہے کہ وہ زندگی کے تمام امور میں اسلام کو نافذ کریں اور اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ ان کے دستور اور تمام قوانین کتاب وسنت سے ماخوذ شرعی احکامات ہوں۔ ارشاد باری ہے:

> پس ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ

کریں اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے، اس کے مقابلے میں ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ (المائدہ:۴۸)

اور یہ کہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے محتاط رہیں کہ کہیں یہ اللہ کے نازل کردہ (بعض احکامات) کے بارے میں آپ کو فتنے میں نہ ڈال دیں۔ (المائدہ:۴۹)

اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو یہی لوگ کافر ہیں۔ (المائدہ:۴۴)

اسلام کے علاوہ دوسرے تمام ادیان و مذاہب کے متعلق قرآن مجید میں ظلمات کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اسلام کے علاوہ تمام نظام جیسے سیکولر جمہوریت، سرمایہ داری اور کمیونزم باطل نظام ہیں جس ادارے یا عدالت میں اسلام کے علاوہ کسی اور ماخذ و مصدر کی بنیاد پر قانون بنتے اور فیصلے ہوتے ہوں وہ طاغوتی ادارے اور عدالتیں ہیں۔ یہ باطل نظام و نظریات انسان کے وضع کردہ ہیں اور ان کا فساد اور عیب ظاہر ہو چکا ہے نیز یہ اسلام اور اس کے احکامات سے بھی متناقض ہیں لہٰذا اُن کو اختیار کرنا، ان کا حامل و علمبردار بننا ان کی طرف دعوت دینا اور ان کی بنیاد پر جماعت بنانا حرام ہے۔ اگر کسی نے بنائی ہے تو یہ جماعت حزب الشیطان ہی ہو سکتی ہے۔

چنانچہ مسلمانوں کی جماعت صرف اسلامی عقیدہ، فکر اور طریقہ کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے اور سیکولرازم، کمیونزم، سوشلزم اسی طرح قومیت و وطنیت یا جمہوری نظام کی بنیاد پر جماعت بنانا مسلمانوں پر حرام ہے۔ اسی طرح ان

جماعتوں کی طرف نسبت کرنا یا ان کی ترویج کرنا بھی حرام ہے۔ کیونکہ یہ کفریہ جماعتیں ہیں جو کفر کی طرف دعوت دیتی ہیں فرمانِ الٰہی ہے:

"اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے تو اس کی طرف سے یہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔ (آل عمران:۸۵)

سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۴ میں ہے:

جو بھلائی کی طرف دعوت دے (یعنی اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں)

ظاہر ہے تنفیذ احکام اسلامی صرف خلافت کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے اس لئے علمائے اسلام قیام خلافت کو شرعی ضرورت اور عین تقاضائے دین قرار دیتے ہیں۔

باطل نظریات اور طاغوتی نظام قابل نفرت ہیں نہ کہ قابل اطاعت۔

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ عمل مسترد ہے۔

اور فرمایا:

جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں۔

جموں و کشمیر کے مسلمانوں کو فکری و نظریاتی گمراہی و پستی کے اس گڑھے سے نکالنا جس میں وہ فی الوقت گرے ہوئے ہیں الا ماشاء اللہ اور ان کو توحید کے جامع تصور اور شرک کی جدید فکری صورتوں جس سے عام تو عام بلکہ وہ لوگ بھی بے خبر معلوم ہوتے ہیں، جنھوں نے توحید کی اس قدر محدود مفہوم کی اشاعت یہاں کی ہے کہ اکثر مسلمانوں کو یہ وہم ہو گیا ہے کہ وہ قبروں پر مشکل

کشائی اور حاجت روائی کے لئے نہ جائیں تو وہ سچے پکے موحد ہو گئے۔ بلاشبہ قبر پرستی شرکیہ فعل ہے مگر کیا قرآن واحادیث میں صرف شرک کی یہی ایک صورت بیان ہوئی ہے؟ کیا سیکولرازم اور کمیونزم پر یقین رکھنے والی جماعتوں سیکولر جمہوری نظام پر مبنی جماعتوں اور اداروں کے ساتھ وابستگی شرک وارتداد نہیں؟ سے آگاہ کرنا ہے۔ ان کو اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ اسلام کا سیاسی نظام خلافت ہے اور سیکولر جمہوری نظام کا فرانہ سیاسی نظام ہے اس نظام سے بچنا عقیدہ توحید کی حفاظت کے لئے لازمی ہے۔ ان کو ایسے مشرکانہ تہذیب سے باخبر اور پھر اس سے نجات حاصل کرنے کیلئے مسلسل جدوجہد پر آمادہ کرنا ہے جو 1947ء سے ان پر مسلط ہے۔ جس کے قومی عقیدے کی علامت سومنات مندر اور قومی تہذیب کی علامت رام ہیں۔ (My Country My life PP- 350, 352) فکری وذہنی غلامی سے نجات صرف اسی صورت میں حاصل ہوسکتی ہے جب مسلمانوں کو اسلام کی معاشی، سماجی، سیاسی اور قانونی تعلیمات سے جو مبنی بر رحمت ہیں، آگاہ کیا جائے، ان کی فکر ونظر کو کلی طور پر تبدیل کر کے ان کی فکر ونظر کو اسلامی بنایا جائے تا کہ عقیدہ توحید صرف اقرار بلسان یا تصدیق بقلب ہی نہ رہے بلکہ مسلمانوں کی عملی زندگی میں ہر شعبہ زندگی میں داخل ہو جائے۔ مسلمانوں کو آج جس چیز نے طرح طرح کی گمراہیوں میں دھکیلا ہے وہ ناقص اسلام فہمی یا کلی اسلام سے بے خبری ہے۔

نومبر 2000ء میں فقیر نے اپنے روحانی مرشد عارف باللہ حضرت عبد الرحمٰن میرابؒ (بادی پورہ بڈگام) سے اجازت حاصل کرنے کے بعد تحریک اسلامی کے دیرینہ ارکان کے ساتھ مشاورت کر کے دینی جماعت تحریک احیاء

خلافت کی بنیاد ڈالی* تو ہم سے یہ سوال ہوا اگر جموں و کشمیر میں کئی دینی جماعتیں ہیں پھر ان میں شمولیت اختیار کرنے کے بجائے ایک نئی دینی جماعت قائم کرنے کے کیا معنی؟ یہ بات تو بہتر تھی کہ خدمت دین کا فریضہ انجام دینے والے سب لوگ ایک ہی دینی جماعت میں جمع ہوں۔ پہلے یہ بات واضح کرتا چلوں ہم نے یہ دینی جماعت کسی دنیوی غرض وغایت کیلئے قائم نہیں کی ہے۔ بلکہ ہمارا ان دینی جماعتوں کے ساتھ اصولی اختلاف ہے۔ ہم ان دینی جماعتوں پر تنقید نہیں کرتے البتہ ان کے ساتھ اختلاف کرنے کا حق ہم ضرور رکھتے ہیں۔ یہ اختلافات کچھ اس طرح کے ہیں:

ا. ہم سیکولر جمہوری نظام کی بنیاد پر وجود میں آنے والی اسمبلی یا پارلیمنٹ کیلئے ہونے والے انتخابات میں شرکت کو منافی توحید سمجھتے ہیں۔

۲. ہم دین وسیاست کے درمیان تفریق کے مغربی نظریے کو غیر اسلامی اور اسلام میں تصور عبادت کے منافی سمجھتے ہیں۔

۳. ہم دین کی اساسی تعلیمات کی بنیاد پر مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق قائم کرنے کے بجائے غیر اساسی تعلیمات اور مسلکی و فقہی اختلاف کی بنیاد پر مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کی کوششوں کو قرآنی تعلیم ''انما المومنون اخوۃ'' کے خلاف سمجھتے ہیں۔

۴. ہم ایمان وعمل صالح کے بجائے کسی مسلک یا جماعتی وابستگی کو جنت کی سند قرار دینے کے خلاف ہیں اور اس کو اسلامی تعلیمات کے

* اس وقت اس کا نام مسلم دینی محاذ رکھا گیا جو بعد میں تحریک احیاء خلافت کا سیاسی شعبہ قرار پایا۔

خلاف سمجھتے ہیں۔

اوپر مذکورہ وجوہات پر آپ عدل وانصاف کے ساتھ غور کریں کیا ان اختلافات کے ساتھ ہمارے لئے یہ ممکن ہے کہ ہم ان دینی جماعتوں کے ساتھ وابستہ ہوں تاہم ہم تعاونوا علی البر والتقویٰ کی بنیاد پر ان جماعتوں کے ساتھ Issue Based تعاون واشتراک کیلئے ہمیشہ تیار ہیں۔

تحریک احیاء خلافت......تعارف

تحریک احیاء خلافت کوئی سیاسی یا مسلکی جماعت نہیں بلکہ خالصتاً ایک دینی جماعت ہے۔ جو انسان کی ذات سے لیکر عالمی سطح تک کے ہر انفرادی اور اجتماعی معاملے کو صرف اور صرف شریعت اسلامیہ کی روشنی میں دیکھتی ہے۔ اعلائے کلمتہ اللہ کی کوشش ایک دینی فریضہ ہے اور قیام خلافت سے ہی داخلی طور ملک میں احکام اسلام کی تنفیذ ممکن بن جاتی ہے اور خارجی سطح پر دنیا کے سامنے اسلام کو پیش کرنے کے موثر ذرائع حاصل ہوتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں قائم ہوئی اسلامی ریاست سے اس کی بہترین مثال پیش ہوتی ہے۔ پھر خلفائے اسلام کے ادوار میں بھی اسی طرح کی مثال ملتی ہے۔ خلفاء ایک طرف ملک میں احکام اسلام کی تنفیذ کرتے تھے دوسری طرف باقی ممالک تک اسلام کی دعوت پہنچاتے تھے۔ اس طرح خلافت کا قیام اعلائے کلمتہ اللہ کا اعلیٰ اور موثر ترین ذریعہ ہے۔ اس جماعت کی اساس اسلام ہے اس جماعت کا طریقہ کار اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ماخوذ ہے۔ یہ جماعت اس بات پر پختہ یقین رکھتی ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں اسلام سے ہی اصلاح ہوسکتی ہے یعنی تصور آخرت سے ہی ہمیشہ انسان کی اصلاح ہوئی ہے، ہو رہی ہے اور ہوگی۔

اس لئے ہماری جماعت کسی بھی شعبہ زندگی میں اصلاح کرنے کیلئے مصنوعی طریقوں کواختیار کرنے کے حق میں نہیں ہے۔ مثلاً

ا. اسلام میں سیاسی تعلیمات کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا عقیدہ ہے اور اس بات پر کہ اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کیلئے ہی خاص ہے وہی صرف یکتا قانون ساز ہے۔ اسلام کا سیاسی نظام خلافت ہے نہ کہ ملوکیت یا جمہوریت اور خلفائے اسلام بھی صرف قوانین الٰہی نافذ کرنے والے ہیں نہ کہ قانون سازی کرنے والے یعنی خلافت درحقیقت احکامات الٰہی کی بشری تنفیذ کا نام ہے۔

۲. اسلام میں معاشی تعلیمات کی بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ دنیا و مافیہا اللہ تعالیٰ کی ہی ملکیت ہے اور انسان کی ملکیت فقط مجازی ہے یعنی انسان کی حیثیت مالک کی نہیں بلکہ امین کی ہے اور اسلام کسب حلال کو عبادت قرار دیتا ہے اور یہ کہ معیشت کی تقسیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کی حیثیت خالق اسباب کی اور انسان کی حیثیت کاسب اسباب کی ہے۔

۳. اسلام میں مذہب کی آزادی کی بنیاد ان قرآنی تعلیمات پر مبنی ہے کہ یہ دنیا دار الامتحان ہے یہاں کفر و اسلام اور ابرار و اشرار سب کو مہلت ملی ہوئی ہے۔ دین کے بارے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ جس طرح اسلام نے ہر انسان کو معاشی آزادی دی ہے وہ جس طرح کا چاہے کسب حلال اختیار کرے اسی طرح اسلام نے انسان کو یہ آزادی بھی دی ہے کہ وہ اسلام و ہدایت یا کفر و ضلالت دو راہوں میں سے جو

چاہے راہ اختیار کرے۔

۴. اسلام میں معاشرتی تعلیمات کی بنیاد اس عقیدہ راسخ پر قائم ہے کہ تمام انسان اصلاً و نسلاً آدمؑ و حواؑ ہی کی اولاد ہیں اس لئے قوم و وطن، نسل و نسب اور رنگ و زبان کی بنیاد پر انسان کے ساتھ ہونے والی تمیز غیر فطری اور غیر عقلی ہے۔ اور ہر انسان کو بغیر تمیز مذہب و نسب اور رنگ و زبان معاشرے میں جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ حاصل ہے۔

۵. اسلام میں نظام عدلیہ کی بنیاد قرآن مجید اور سنت نبویؐ کے حکم ہونے پر مبنی ہے۔ پرسنل لا ہوں یا پبلک لا۔ فوجداری معاملات ہوں یا دیوانی غرض ہر معاملے پر ہر نزاع پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف رجوع ہوگا۔

٦ اسلام میں نظام تعلیم کی بنیاد علم نافع پر مبنی ہے۔ علم نافع (معرفت الٰہی اور خشیت الٰہی) کا حصول فرض عین ہے۔ علوم کسبی کے بارے میں انسان کو آزادی حاصل ہے جس طرح کا علم چاہے حاصل کرے تجرباً چونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ علم نافع کے ساتھ ہی علوم کسبی بنی نوع انسان کیلئے خیر و بھلائی کے ذرائع بن سکتے ہیں۔ تعلیم کی بنیادی غایت یہ ہے کہ انسان کو اللہ کی معرفت حاصل ہو جائے وہ اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر اپنی زندگی کا سفر جاری رکھے۔ علوم کسبی کا حصول صرف انسان کی معاشی ضرورت نہیں انسان چاہے تو ان علوم کسبی کو بھی حصول رضائے الٰہی کا ذریعہ بنا سکتا ہے۔

□○□

تحریک احیاءِ خلافت......دعوتی پہلو

ہم آج کل ڈاکٹر، انجینئر، وکیل، استاذ، ملازم، تاجر، کاشت کار اور صنعت کار غرض سب کچھ بنے ہیں مگر سب سے پہلے جو ہمیں بننا چاہئے تھا وہ ہم نہیں بن رہے ہیں یعنی داعی۔ ہر مسلمان داعی و راعی ہے۔ آج کل ہم اپنے معاشرے میں جو علمی گمراہیاں اور بدعملیاں دیکھ رہے ہیں اس کے لئے جموں و کشمیر پر مسلط بھارت کے بے دین نظام حکمرانی، مشرکانہ تہذیب، سودی معیشت، سیکولر نظام تعلیم، سیکولر ذرائع ابلاغ اور سیکولر نظام عدلیہ کو موردالزام ٹھہرانا تو بڑی حد تک ٹھیک ہے کیونکہ غلام قوم اپنے دین و تہذیب کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ مگر اس عذرِ غلامی سے ہم اپنی داعیانہ ذمہ داریوں سے کلی طور پر بری الذمہ تو نہیں ہو سکتے ہم اپنی داعیانہ ذمہ داریوں کو نبھانے کیلئے کتنا سنجیدہ ہیں، ہم فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر انجام دینے کیلئے کیا تیار ہیں؟ ہم تو معاشرے کی اس ہماری کشتی میں سوراخ کرنے والوں کا یا تو تماشہ دیکھ رہے ہیں یا پھر ان کی مذمت و ملامت ہی کرتے ہیں۔ ہماری دعوت غیر مسلموں کیلئے یہ ہے کہ وہ دین اسلام دین فطرت کو قبول کریں۔ وہ ہمیں دیکھ کر اسلام کے متعلق رائے قائم نہ کریں بلکہ قرآن مجید

اور سیرت نبوی کا مطالعہ کر کے اسلام کے متعلق رائے قائم کریں۔ ہماری دعوت ان مسلمانوں کیلئے جنہوں نے اپنے عقائد شرکیہ نظریات و اعمال سے خراب کئے ہیں یہ ہے کہ وہ عقیدہ توحید کی تجدید کریں اور توحید کو دل میں ہی نہیں اعمال میں بھی اختیار کریں۔ ہماری دعوت ان مسلمانوں کیلئے جنہوں نے عبادات میں بدعات کو اختیار کیا ہے یہ ہے وہ بدعات کو چھوڑ کر سنت نبوی کو اختیار کریں۔ ہماری دعوت ان مسلمانوں کیلئے جو کئی طرح کے گناہوں کا ارتکاب کر رہے ہیں یہ ہے کہ وہ اللہ تواب الرحیم کی طرف رجوع کریں۔ ہماری دعوت معاشی طور آسودہ حال مسلمانوں کیلئے یہ ہے کہ وہ اپنے اموال کی زکوٰۃ دیں، بیواؤں، یتیموں، مسکینوں اور غریبوں کی مالی مدد کریں۔ ہماری دعوت ان مسلمانوں کیلئے جو ایمان و عمل صالح کا سرمایہ اپنے پاس رکھتے ہیں یہ ہے کہ وہ تواصی بالحق و تواصی بالصبر کا فریضہ انجام دیں۔ ہماری دعوت بھارت نواز سیاسی جماعتوں سے وابستہ لوگوں کیلئے یہ ہے کہ وہ جموں و کشمیر پر قائم بھارت کے مشرکانہ تسلط کے معاون نہ بنیں بلکہ اپنی زندگی اسلام کی آبیاری اور تحریک حریت کشمیر کیلئے وقف کریں۔ ہماری دعوت ان سیاسی جماعتوں جو سیکولرازم، کمیونزم اور نیشنلزم پر یقین رکھتی ہیں، سے وابستہ لوگوں کیلئے یہ ہے وہ ان بے دین سیاسی جماعتوں کو چھوڑ کر ایسی دینی جماعت سے وابستہ ہوں جس کی اساس اسلام جس کا طریقہ کار اسلامی اور جس کا نصب العین غلبہ اسلام ہو۔ ہماری دعوت ہر مسلمان کے لئے یہ ہے کہ وہ اپنی علمی استطاعت اور عملی صلاحیت کے مطابق اندرونِ خانہ و بیرونِ خانہ دعوت کا فریضہ انجام دے وہ جہاں بھی رہے اسلام کا داعی بن کر رہے۔

تحریک احیاء خلافت......مقامی اہداف

ا. توحید (توحید ربوبیت، الوہیت، حاکمیت) کی جامعہ تعلیمات سے لوگوں کو ان کی ذہنی سطح کے مطابق احسن طریقے پر داعیانہ و ناصحانہ انداز میں آگاہ کیا جائے۔ عملی زندگی میں عقیدہ توحید کے تقاضے کیا ہیں ان سے لوگوں کو خبردار کیا جائے۔ توحید کے متعلق اس وسیع پیمانے پر پائی جانے والی غلط فہمی کہ توحید کا تعلق فقط اقرار بلسان اور تصدیق بالقلب کے ساتھ ہے اور مسلمان کے روزمرہ معمولات کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہیں ہے کو دور کرنا۔ لوگوں کی معیشت، معاشرت، سیاست، نظام عدلیہ اور نظام تعلیم میں توحید کے عملی تقاضوں سے آگاہ کرنا۔ لوگوں کو شرک کی تمام قدیم جدید فکری وغیر مرئی صورتوں سے بھی آگاہ کیا جائے۔

۲. آج کل لوگ اللہ کی ذات کا انکار نہیں کر رہے ہیں یعنی ایسا نہیں ہے کہ مسلمان دہریے ہوگئے ہیں بلکہ آخرت فراموشی عام ہوگئی ہے۔ "منکر آخرت قوم اگر دنیا پرستی میں مبتلا ہوگئی ہے تو تعجب کی کوئی بات نہیں ہے

مگر وہ ملت جن کے عقائد میں عقیدہ آخرت کو بنیادی عقیدے کی حیثیت حاصل ہے وہ اگر دنیا پرستی میں ملوث ہوگئی ہو تو یہ بے حد افسوسناک امر ہوگا۔' غرض اکثر مسلمانوں میں عقیدہ آخرت میں ضعف پیدا ہوا ہے۔ عام و خاص دنیا پرستی کی مہلکت بیماری میں مبتلا ہو گئے ہیں۔اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ جموں کشمیر میں ایک جامعہ "رجوع الی اللہ" کی تحریک چلائی جائے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں پر اس ناپیدار دنیا کی بے ثباتی موثر طریقے پر واضح کردی جائے۔ان کو یہ اچھی طرح باور کرایا جائے کہ انسان اس دنیا کا مستقل باشندہ نہیں ہے وہ تو صرف یہاں کی امتحان گاہ میں چندروز زندگی گذار کر اصل زندگی اُخروی زندگی کی طرف لوٹنے والا ہے اس لئے عقل و دانش کا تقاضا یہی ہے کہ بے ثبات زندگی کیلئے نہیں ابدی زندگی کیلئے سامان راحت جمع کیا جائے۔

۳. جموں و کشمیر کی ملت اسلامیہ پر 1947 سے ایک مشرکانہ تہذیب اور لادین سیاسی نظام بھارت کی طرف سے مسلط ہے۔جموں کشمیر کے غیور مسلمان پچھلے 60 سالوں سے اس جارحیت وتسلط کی مزاحمت کر رہے ہیں۔حق وانصاف کی بات یہ ہے کہ مشرکانہ تہذیب اور بے دین سیاسی نظام ہر شعبہ زندگی میں ہمیں اسلام کے مطابق زندگی گزارنے میں رکاوٹ ہے۔ظاہر ہے کہ ایک غلام قوم سمندر سے گوہر نایاب اور آسمان سے تارے اُتار سکتی ہے وہ اگر نہیں کر سکتی ہے تو صرف اپنے دین پر عمل اور اپنے دین وتہذیب اور تاریخ و تشخص کی

حفاظت۔اسی لئے غالباً بنی اسرائیل کوفرعون کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے بعد ہی تورات دی گئی، اور ہجرت مدینہ کے بعد ہی قرآن مجید کی معاشی، معاشرتی، سیاسی اور قانونی تعلیم نازل ہوئی۔ اس لئے یہ ملت اسلامیہ کا دینی تقاضا ہے کہ وہ بھارت کی غلامی سے نجات حاصل کرے۔ ہماری جماعت اس حوالے سے عوام میں فکری بیداری پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ بھارت کی تہذیبی جارحیت اور سیاسی تسلط کی دینی بنیادوں پر مزاحمت پر یقین رکھتی ہے اور اس کے لئے صرف خودکفیل عوامی مزاحمت کو موثر اور نتیجہ خیز سمجھتی ہے۔

۴. معیشت اور تجارت میں اکثر لوگ حلال وحرام کی تمیز سے بے پرواہو گئے ہیں۔ حالانکہ رغبت دین اور خشیت الٰہی کا تعلق براہ راست کسب حلال سے ہے۔ "انسان کا خون اس کی غذاؤں سے بنتا ہے خون کا مرکز دل اور دائرہ عمل پورا جسم ہوتا ہے۔ تقویٰ کا محل بھی دل ہی ہوتا ہے جس کے اثرات بدن پر مرتب ہوتے ہیں۔ اگر یہی خون حرام غذاؤں سے تیار ہوتا ہے پھر اس ناپاک خون سے دل و دماغ میں پاکیزگی کیسے پیدا ہوسکتی ہے؟" اس لئے لوگوں کو بدنی عبادات کے ساتھ ساتھ مالی عبادات، زکوٰۃ، انفاق فی سبیل اللہ اور کسب حلال کے بارے میں سنجیدگی اختیار کرنے کی تحریک وترغیب دی جائے گی تاکہ وہ معیشت وتجارت کو عبادت جان کر اختیار کریں۔

۵. جموں کشمیر میں معاشرے میں کئی طرح کی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں۔ ان خرابیوں کے کئی اسباب ہیں۔ بلاشبہ ہماری سیاسی غلامی اس کی ایک

بہت بڑی وجہ ہے، مگر اس کے علاوہ بھی کئی اسباب ہیں جن کے لئے ہم براہ راست ذمہ دار ہیں مثلاً یہاں مسلم اکثریتی ملک (جموں کشمیر) میں مسلمانوں نے زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم نہیں کیا ہے جس سے نہ صرف فرضیت زکوٰۃ کا تصور مسلمانوں میں بے حد کمزور ہو چکا ہے، بلکہ غربت کی سطح سے نیچے زندگی گذارنے والے لوگ معاشی ابتری سے دوچار ہوئے ہیں۔ اور غربت وافلاس سے ہمیشہ جرائم اور برائیوں کو فروغ ملتا ہے۔ کشمیر میں ہم اسی صورتحال سے دوچار ہیں۔ آسودہ حال لوگ دولت کو تجارت میں لگانے کے بجائے ٹرنکوں اور بنکوں میں رکھتے ہیں جس سے دولت کی گردش رُک جاتی ہے اور جس سے بے روزگاری کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ عورتوں نے بھی چونکہ معاشی ذمہ داری اٹھائی ہے سرکاری وغیر سرکاری نوکریاں کر کے اس سے بھی جوانوں میں بے روزگاری بڑھ گئی ہے۔ Late Marriages اور شادی بیاہ کے موقعوں پر اسراف وتبذیر نے اخلاقی قدروں کو بری طرح پامال کیا ہے۔ بیواؤں اور یتیموں کا سنگین مسئلہ غیرت مند مسلمانوں کیلئے سوہانِ روح بنا ہوا ہے۔ ان تمام خرابیوں کی نشاندہی پھر ان اسباب کا سدباب ضروری ہوگیا ہے جو ان خرابیوں کیلئے ذمہ دار ہیں اس حوالے سے ائمہ مساجد اور معاشی طور آسودہ حال لوگوں کو ان کی اخلاقی ذمہ داری سے آگاہ کرنا ہماری پہلی ترجیح ہے۔

جموں وکشمیر میں مسلمانوں میں فقہی اور مسلکی اختلافات گہرے ہو رہے

ہیں۔ کئی موقعوں پر اس بارے میں مسلمانوں کے درمیان جھگڑے اور لڑائیاں بھی ہوئی ہیں۔ دینی جماعتوں کے درمیان اتحاد قائم کرنے یا مجلس اتحاد قائم کرنے سے بھی تب تک ان مسلکی تنازعات پر قابو نہیں پایا جاسکتا جب تک نہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ مساجد مسلکی اکھاڑوں کے طور استعمال نہ ہوں اور ایسی کتابوں کی اشاعت روک نہ لی جائے جو مسلکی تشدد پر لوگوں کو آمادہ کرتی ہوں۔ بالخصوص اس سوچ کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے جو بعض مسلک و جماعت پرست لوگوں میں پیدا ہوئی ہے کہ ان کو جنت کی اجارہ داری حاصل ہے۔ اس حوالے سے ہم اس فکر کو عام کرنے کی مسلسل سعی کر رہے ہیں کہ ہر ایمان و عمل صالح کا سرمایہ رکھنے والا مسلمان خواہ وہ کسی بھی فقہی مسلک یا دینی جماعت سے وابستہ ہو، بفضل تعالیٰ جنت میں داخل ہوسکتا ہے۔

7. سقوط خلافت عثمانیہ (1924) کے بعد امت مسلمہ کو دو انتہائی خطرناک فکری گمراہیوں سے سابقہ پڑا ہے۔ وطنیت اور سیکولرازم یہ دونوں باطل نظریات امت مسلمہ کیلئے تباہ کن ثابت ہوئے ہیں اور اتحاد بین المسلمین اور قیام خلافت کیلئے ہورہی کوششوں میں سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ مغرب کی فوجی جارحیت سے امت کو اتنا نقصان نہیں پہنچا ہے جتنا نقصان ان مغربی نظریات نے امت کو پہنچایا ہے۔ سقوط خلافت عثمانیہ سے لے کر سقوط ڈھاکہ تک مسلمانوں کی سیاسی و عسکری ذلت و پستی میں ان ہی باطل نظریات نے کلیدی رول ادا کیا ہے۔ سقوط خلافت عثمانیہ کے ساتھ ہی

مسلمانوں کی مرکزیت وخلافت ختم ہوگئی۔ایک کے بعد ایک حصہ خلافت عثمانیہ سے الگ ہوتا گیا۔دین وسیاست وریاست میں تفریق کی ملحدانہ فکر مسلم ممالک میں رائج ہونے لگی۔اسلام کو اسی طرح مسجد کی چار دیواری میں مقید کیا گیا جس طرح عیسائیت چرچ اور یہودیت سینگاگ میں مقید ہو چکے تھے۔اسلام انسان کا انفرادی مسئلہ قرار پایا اسلام کو انسان کے اجتماعی معاملات سے بے دخل کیا گیا۔ سیکولرازم اور جمہوریت کو انسان کیلئے رحمت کے طور پیش کیا گیا اور اس کیلئے پروپیگنڈا ایسے موثر طریقے اور وسیع پیمانے پر کیا گیا کہ مسلم دنیا نے بھی ان باطل نظریات کو قبول کیا اور اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ مسلمانوں نے بھی اسلام کو چند عبادات و اخلاقی تعلیمات کا مجموعہ جان کر اس کو مکمل ضابطہ حیات ماننے سے قالاً یا حالاً انکار کر دیا اس طرح پچھلے 80 سالوں میں مسلمانوں کی وسیع پیمانے پر Secularisation ہوگئی ۔مسلمان مسجد سے باہر مادر پدر آزاد زندگی گذارنے لگے۔ اُن کی سیاست سیکولر جمہوری نظام پر ان کی معیشت سودی اور سرمایہ دارانہ یا اشتمالی نظام پر ان کی معاشرت قومی ووطنی اور لسانی ونسلی عصبیتوں پر ان کا نظام عدلیہ انسان ساختہ قانون پر اور ان کا نظام تعلیم سیکولر نصاب پر قائم ہوا۔اس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ...... آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا...... (المائدہ۔۳) اور...... ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ (البقرہ۔۲۰۸) بے معنی ہو کر رہ گیا (نعوذ باللہ) ۔آج

مسلمانوں میں لگ بھگ یہ تصور ہی ختم ہوگیا ہے کہ اسلام کا ایک مکمل سیاسی نظام ہے جو اللہ کی حاکمیت پر مبنی ہے جس کی عملی صورت خلافت ہے۔ اس کا ایک منفرد معاشی نظام ہے جو غیر سودی ہونے کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ، انفاق فی سبیل اللہ، قرضہ حسنہ، صدقہ وخیرات اور دولت کی گردش کو برقرار رکھنے پر مبنی ہے۔ اس کا معاشرتی نظام حریت، مساوات اور اخوت انسانی پر مبنی ہے۔ اس کا نظام عدلیہ قانون الٰہی کی تنفیذ پر اور اس کا نظام تعلیم علم نافع کے وسیع تصور پر مبنی ہے۔ ظاہر ہے اسلام کی مکمل تنفیذ صرف خلافت اور اسلامی ریاست سے ہی ممکن ہے اس لئے عالم کفر نے مسلمانوں میں سب سے زیادہ مایوسی قیام خلافت اور اسلامی ریاست کے قیام کے حوالے سے ہی پھیلائی ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کی جامعیت، کاملیت اور آفاقیت سے روشناس کرایا جائے ان میں اسلام کے حوالے سے امید و اعتماد پیدا کیا جائے ان کو اسلام کے چشمہ صافی سے سیراب کیا جائے، ان کو اسلامی ریاست کے قیام کی کوششوں کیلئے فکری اور ذہنی طور تیار کیا جائے تا کہ وہ خود باطل نظریات کا مشاہدہ واحساس کریں۔ تحریک احیاء خلافت مسلمانوں کو صرف اور صرف اسلام کی مکمل فکر اور عملی پیروی کرنے کی طرف متوجہ کرتے ہوئے انہیں تمام طاغوتی افکار و نظریات سے کلی طور پر اجتناب کرنے پر اصرار اور کوشش کرے گی۔

تحریک احیاءِ خلافت......طریقہ کار و دائرہ عمل

تحریک احیاءِ خلافت کا کام اسلام کی جامعہ تعلیمات سے لوگوں کو روشناس کرانا ہے۔ اسلام کو مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں داخل کرنا ہے۔ ظاہر ہے یہ کام صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب مسلمانوں کے عقائد درست ہوں وہ اسلام کی جامعہ تعلیمات سے باخبر ہوں اور باطل نظریات کو اختیار کرنے کے دنیوی و اُخروی نتائج سے آگاہ ہوں۔ تحریک احیاءِ خلافت اس دینی کام کیلئے وعظ و تذکیر اور انداز و تبشیر کرے گی۔ مساجد میں لوگوں کے اسلام کی معاشی، معاشرتی، سیاسی اور نظام عدلیہ وغیرہ کے متعلق تعلیمات سے آگاہ کیا جائیگا۔ دونوں قسم کے ذرائع ابلاغ (پرنٹ و الیکٹرانک) میڈیا سے ہر گھر تک اسلامی تعلیمات پہنچانے کے ساتھ ساتھ اُن باطل نظریات و افکار سے جو آج کل اکثر مسلمانوں نے اختیار کئے ہوئے ہیں، سے بھی اُن کو خبردار کیا جائے گا۔ اسلام کے سیاسی اور معاشی نظام کے متعلق جو انتہائی قسم کی غلط فہمیاں پیدا

کی گئی ہیں اُن کی حقیقت سے بھی لوگوں کو مطلع کیا جائے گا۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ہم نے مکمل طور فراموش کیا ہے حالانکہ اسی فریضے کی ادائیگی سے یہ امت خیرامت کہلاتی ہے۔ ہماری جماعت مساجد کے ساتھ ساتھ بازاروں، دفتروں اور دوسری عوامی جگہوں پر یہ فریضہ داعیانہ انداز میں احسن طریقے پر انجام دے گی (انشاء اللہ)۔ ہماری جماعت اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے طلبہ و طالبات کی طرف خصوصی توجہ دے گی ان جگہوں میں باضابطہ تدریسی حلقے قائم کئے جائیں گے، ان کیلئے ایک نصاب تیار کیا جائیگا۔

جموں کشمیر میں زکوٰۃ فاؤنڈیشن کا قیام ہماری اولین ترجیح ہوگی جہاں صاحب نصاب مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور مستحقین تک پہنچائی جائے گی۔ ہماری جماعت لوگوں میں عقیدہ توحید کی بنیاد پر فکری بیداری پیدا کرے گی، لوگوں کو یہ سمجھانے کی پوری کوشش کی جائے گی کہ جموں و کشمیر کی ملت اسلامیہ کے لئے غلامی کا مسئلہ کوئی قومی، وطنی، لسانی یا نسلی مسئلہ نہیں ہے بلکہ حاکمیت کا مسئلہ ہے۔ مسلمان بیک وقت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور بھارت کی حاکمیت کی اتباع نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کیلئے یہ ممکن نہیں مسجد میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ''**ایاک نعبد**'' کا عہدو پیمان کریں اور مسجد سے باہر بھارتی آئین، دستور، قانون، نظام سیاست، معیشت، معاشرت، عدلیہ اور تعلیم کی اطاعت کریں اگر مسلمان دوئی پسند بن جائیں تو ان کیلئے قرآن مجید نے دینوی رسوائی اور اُخری عذاب کی وعید سنائی ہے۔

تحریک احیاء خلافت کا نصب العین جیسا کہ اس کے نام سے ہی واضح

ہے آفاقی ہے مگر آفاقی نصب العین کے یہ معنی نہیں ہم عالمی سطح پر ہی کام شروع کرنے کے مکلف ہیں۔ یہ اسوہ حسنہ اور عقل و دانش دونوں کے خلاف ہوگا کہ ہم کسی جگہ کو (انبیاء کرام کے متعلق قرآن مجید سے یہی معلوم ہوتا ہے وہ اپنی اپنی قوم میں ہی اپنے دعوتی کام کی ابتداء کرتے تھے۔ خود سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ماورائے زماں ومکان ہے کہ اسوہ حسنہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے (وانذر عشیرتک الاقربین الشعراء ۲۱۴) لتنذر ام القریٰ (الشوریٰ ۷) انی رسول اللہ الیکم جمیعا (الاعراف ۵۸) مرکز بنائے بغیر عالمی سطح پر کام شروع کریں۔ طریقہ یہ ہے کہ دین کے کام کی ابتداء اس جگہ کی جائے جہاں داعی کی ولادت ہوئی ہے جس ماحول میں اسکی پرورش ہوتی ہے جن لوگوں کے ساتھ اس کی نسبت ہے۔ دنیا میں جن معروف عالمی تنظیموں سے ہم متعارف ہیں مثلاً شیخ حسن البنا شہیدؒ نے 1928 میں اخوان المسلمین کی بنیاد مصر میں، شیخ سید ابوالاعلی مودودیؒ نے 1941 میں جماعت اسلامی کی بنیاد ہند میں اور شیخ تقی الدین النبہانی نے حزب التحریر کی بنیاد 1953 میں فلسطین میں ڈالی یہی جگہیں مصر، پاکستان (تقسیم ہند کے بعد سید ابوالاعلیؒ نے پاکستان ہجرت کی) اور فلسطین ان تحریکوں کے مراکز بن گئے۔ یہاں اب یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے اگر شیخ حسن البنا نے 1928 میں اخوان المسلمین کی بنیاد ڈالی تھی پھر شیخ ابوالاعلیؒ مودودی نے 1941 میں اور شیخ تقی الدین نے 1953 میں جماعت اسلامی اور حزب التحریر کی بنیاد کیوں ڈالی حالانکہ تینوں جماعتوں کا نصب العین، اعلائے کلمۃ اللہ ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا آپ نصب العین کے متعلق الفاظ، حکومت الٰہیہ، اقامت دین یا قیام

خلافت کے استعمال کریں۔
1960ء کے عشرے میں جب اخوان و جماعت کو ایک کرنے کی بات ہوئی تو جماعت اسلامی کی قیادت اور اخوان کی قیادت اس کیلئے تیار کیوں نہیں ہوئی؟ حزب التحریر نے اپنے تعارفی کتابچے (حزب التحریر) صفحہ نمبر ۱۴ پر واضح الفاظ میں لکھا ہے حزب التحریر کا دائرہ عمل ایک علاقے یا کئی علاقوں تک محدود رہنا چاہیے۔ عالمی سطح پر ایک دینی جماعت کا قیام یا ہر ملک میں دینی جماعت کا قیام؟ خدمت دین کیلئے کی جانے والی کوششوں کو موثر بنانے اور دینی جماعتوں پر عالم کفر کی طرف سے ہو رہے مسلسل کریک ڈاؤن دونوں کے پیش نظر علم و دانش کا تقاضا یہی ہے کہ ہر ملک میں الگ الگ جماعتی ناموں کے ساتھ دین کا کام کیا جائے۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے مسلمان امت 57 مسلم ممالک اور ایک سو سے زائد غیر مسلم ممالک میں بکھری ہوئی ہے اور مسلم و غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے دینی تقاضے مختلف ہیں مثلاً پاکستان میں جماعت اسلامی کیلئے مقامی دینی تقاضا یہ ہے کہ وہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کیلئے عوام میں فکری بیداری پیدا کریں۔ فلسطین اور کشمیر میں دینی جماعتوں کیلئے دین کا ترجیحی تقاضا یہ ہے کہ وہ مظلوم فلسطینیوں اور کشمیریوں کو اغیار کے ناجائز تسلط سے نجات دلائیں۔ سعودی عرب میں دینی جماعتوں سے دین کا تقاضا یہ ہے وہ وہاں کی ملت اسلامیہ کو ملوکیت سے نجات دلا کر سعودی عرب میں جو قیام خلافت کیلئے موزوں ترین جگہ ہے قیام خلافت کی کوشش کریں۔ اسی طرح یورپ اور امریکہ میں دینی جماعتوں کو ہر صورت میں حکومتوں کے ساتھ ٹکراؤ سے گریز کرتے ہوئے اپنی پوری توجہ وہاں کے غیر

مسلموں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کی طرف کرنی چاہئے یہی ان سے دین کا تقاضا ہے۔ مختصراً کہ تمام دینی جماعتوں کا ایک ہی آفاقی نصب العین ہونے کے باوجود ان کے مقامی دینی تقاضے مختلف ہو سکتے ہیں اور ان کا خدمت دین کا کام کرنے کے حوالے سے بھی طریقہ کار مختلف ہوگا کیونکہ طریقہ کار کا تعین دراصل مقامی حالات و ماحول کے مطابق ہو سکتا ہے۔ ہر ملک کے شہری ہی بہتر جانتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے ملکوں میں موثر طور دین کا کام کس طرح کر سکتے ہیں۔ اس لئے خدمت دین کا کام موثر طریقے پر کرنے کے حوالے سے اور 11 ستمبر واقعات کے بعد کے حالات کا یہی تقاضا ہے۔ دنیا میں تمام دینی جماعتوں کے درمیان انضمام کے متعلق سوچنے کے بغیر یا کسی ایک عالمی جماعت کو ہی ہر ملک میں متعارف کرنے کے بجائے تمام دینی جماعتوں کا باہم تعلق تعاونوا علی البر والتقویٰ کی بنیاد پر ہو، ایک دوسرے کے متعلق یہ جماعتیں حسن ظن اور عقیدت و محبت رکھیں، ایک دوسرے سے علمی استفادہ کریں یعنی دینی جماعتوں کے درمیان فکری ہم آہنگی ہو۔ فی الوقت عملی اشتراک شاید مناسب نہیں رہے گا۔ اگر ہم صرف ایک عالمی جماعت کی بات کریں گے ممکن ہے جھوٹ یا سچ اس پر کسی ملک میں کافر حکمرانوں یا منافق حکمرانوں کی طرف سے کچھ اس طرح کے الزامات عائد ہوں جس کی بناء پر اس پر پابندی عائد کی جائے، اس کے اثاثات منجمد کئے جائیں، اس سے وابستہ ارکان پر کریک ڈاؤن کیا جائے۔ الزامات تو کسی ایک یا دو ممالک میں اس پر لگائے گئے ہوں گے مگر اس کی قیمت تمام ممالک میں اس سے وابستہ لوگوں کو چکانی پڑے گی اس طرح ہر ملک میں دین کا کام متاثر ہو سکتا ہے اس لئے ہماری جماعت

مقامی) حکمت علمی و عملی پر یقین رکھتی ہے۔ Think Globaly Act Localy (فکر عالمی، عمل

قیام خلافت کے لئے کی جانے والی کوششوں کے یہ معنی نہیں ہر مسلم ملک میں خلافت قائم کی جائے۔ خلافت درحقیقت مرکزیت اور امارت شرعی کا نام ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں 1924ء کے بعد پوری امت مسلمہ ایک مرکزیت اور امارت شرعی کے بغیر زندگی گذار رہی ہے۔ تعجب ہے جس اسلام نے سفر کرنے والے تین مسلمانوں کو باہم ایک کو امیر بنانے کی تلقین کی ہے اسی اسلام کے ڈیڑھ ارب پیروکار پچھلے 85 سالوں سے امارت شرعی کے بغیر زندگی گذار رہے ہیں انا لِلّٰہ و انا الیہ راجعون۔ حالانکہ امیر شرعی کی بیعت کے بغیر موت کو حدیث نبویؐ میں جاہلی موت فرمایا گیا ہے "من مات لیس فی عنقہ بیعت مات میتۃ جاھلیۃ" آپ اگر 57 مسلم ممالک کو متحد کر کے مسلمانوں کی مرکزیت قائم کرنا چاہیں گے اس کی فی الوقت کوئی عملی صورت نظر ہی نہیں آتی کیونکہ مسلمانوں میں قوم پرستی، وطن پرستی اور نسل پرستی کی جڑیں کافی گہری ہوگئی ہیں جب تک نہ ہر مسلم ملک میں دینی جماعتیں ان جاہلی زنجیروں سے مسلمانوں کی گردنیں آزاد کرتی ہیں۔ اتحاد بین المسلمین کی راہ کبھی ہموار نہیں ہوسکتی۔ قوم پرستی اور وطن پرستی کی لعنت کو پہلے مغربی مفکروں، دانشوروں، ادیبوں اور شاعروں نے مسلم دنیا کی طرف منتقل کیا اب مسلم ممالک میں کلمہ گو بے دین قوم پرست ہی اس لعنت کی تبلیغ و اشاعت مسلمانوں میں کر رہے ہیں اس کیلئے ان قوم پرستوں کو اسلام و مسلمان دشمن اتحاد ثلاثہ (نصاریٰ، یہودی، ہنود) کی تائید و حمایت حاصل ہے وہی ان کی مالی اعانت کرتے ہیں اور

ان کو مسلمانوں پر بحیثیت رہنما مسلط کرتے ہیں۔OIC میں مسلم ممالک کے نمائندے اگر قومی و وطنی عصبیتوں اور مفادات سے اوپر اُٹھ کر سوچنے کی زحمت اُٹھائیں تو اُن کے کچھ اقدام اتحاد بین المسلمین کیلئے سنگ میل ثابت ہو سکتے ہیں۔ پہلے مرحلے پر یہ مسلم ممالک اگر تین باتوں پر ہی متفق ہو جائیں تو یہ امت مسلمہ پر اُن کا بہت بڑا احسان ہوتا۔ یہ ممالک سب کے سب UNO کی بے معنی اور تماشائی مجلس یعنی مجلس عامہ (جنرل کونسل) سے مستعفی ہو کر صرف OIC کے سربراہ کو مسلم ممالک کے نمائندے کے طور مجلس عاملہ (سیکورٹی کونسل) میں شامل کئے جانے کا مطالبہ کرتے اس سے بڑھ کر ڈیڑھ ارب مسلمانوں کی سیاسی بے عزتی اور پستی کا کیا عالم ہوگا کہ ان کو دنیا کی اس عالمگیر سیاسی حکومت (سیکورٹی کونسل) میں نمائندگی بھی حاصل نہیں ہے اور یہ سب ممالک UNO کے تماشہ گاہ (جنرل کونسل) میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے مسلم ممالک اس فیصلے پر جب متفق ہوں گے جب وہ باہمی سیاسی و معاشی معاملات پر ایک Bottom Line پر متفق ہو جائیں۔ دوسری ممکنہ صورت اس حوالے سے یہ ہو سکتی ہے کہ تمام مسلم ممالک کے باشندوں کیلئے ایک ہی پاسپورٹ ہو جو OIC کی طرف سے جاری کردہ ہو۔ تیسرا اقدام مشترکہ کرنسی کی صورت میں اُٹھایا جا سکتا ہے اگر یورپ میں مشترکہ کرنسی کا تجربہ ہو سکتا ہے مسلم دنیا میں اس طرح کا تجربہ کرنے میں کیا قباحت ہے؟ مقصد بیان یہ ہے قیام خلافت کی منزل اتحاد بین المسلمین کی راہ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے اور اتحاد بین المسلمین کا خواب تب تک شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا جب تک نہ مسلمانوں کے ذہن کو قوم پرستانہ، وطن پرستانہ اور نسل پرستانہ جاہلی نظریات و خیالات کو

پاک کیا جائے اس لئے لازمی ہے مسلم ممالک میں دینی جماعتیں آفاقی نصب العین کے ساتھ مقامی تقاضوں کے مطابق لوگوں میں دینی بیداری پیدا کریں اور یہ کام صرف مسلکی و جماعتی تعصب سے اوپر اُٹھ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ دینی جماعتوں کیلئے دو قسم کے ممالک میں دو قسم کے ترجیحی کام ہیں جو ممالک دارالمسلمین ہیں وہاں دینی جماعتوں کیلئے لوگوں میں تبلیغ توحید، فریضہ امر بالمعروف نہی عن المنکر اور نظام زکوٰۃ کو عام کرنے جیسے کاموں کے علاوہ اہم کام یہ ہوگا کہ وہ ان ممالک کو حقیقی معنوں میں اسلامی ممالک بنائیں مگر یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھیں طیب مقصد کیلئے طیب طریقہ کار ہی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ خلافت ایک مقدس ادارہ ہوتا ہے جس کے ذریعے داخلی طور احکام اسلام کی تنفیذ ہوتی ہے اور خارجی طور دنیا تک دعوتا سلام پہنچائی جاتی ہے اس لئے بے دین جمہوری طریقے سے نہ کبھی اسلامی حکومت قائم ہوئی ہے نہ کبھی ہو سکتی ہے۔ شراب سے وضو کر کے جو نماز پڑھی جائے وہ باطل ہے اور نماز کہلانے کے لائق ہی نہیں ہے یہ نماز باعث ثواب نہیں بلکہ موجب غضب الٰہی بن سکتی ہے۔ اس لئے اسلامی حکومت کے قیام کیلئے ضروری ہے ہر مسلم ملک میں دینی رہنما مسلمانوں میں اسلام کے بابرکت و رحمت سیاسی نظام کے متعلق بیداری پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ غیر سرکاری Religious Authority قائم کریں۔ ہر مسلم ممالک میں دینی رہنما کی طرف سے Religious Authority قائم کرنا اسلامی حکومت کے قیام کی تمہید ثابت ہو سکتی ہے۔ ہجرت مدینہ کے وقت سب سے پہلے جو Authority سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں قائم ہوئی وہ نبی و رسول کی حیثیت سے Religious Authority ہی

تھی پھر اس کے بعد Head of the State کی اتھارٹی قائم ہوگئی۔ حالیہ سالوں میں اس کی مثال ایران سے مل سکتی ہے جہاں جناب خمینی صاحب کو پہلے Religious Authority حاصل ہوگئی تھی پھر ان کو Political Authority بھی حاصل ہوگئی۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کسی بھی مسلم و غیر مسلم ملک میں دینی جماعتوں یا رہنماؤں کو Religious Authority حاصل نہیں ہے اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ دینی جماعتیں اور رہنما جماعتیں اور مسلکی عصبیتوں میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ دوسری قسم ان ممالک کی ہے جہاں مسلمان ریاستوں پر اغیار مسلط ہیں وہاں دینی جماعتوں کے ترجیحی کام تین طرح کے ہیں (۱) مسلمانوں میں توحید کی تبلیغ کی جائے، یہ جان کر شرکیہ ماحول اللہ کی رحمتوں اور برکتوں سے محروم رہتا ہے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔ نظام زکوٰۃ کو منظّم و مستحکم کریں۔ (۲) اغیار کے قبضے کے خلاف خودکفیل وسائل کی بنیاد پر جدوجہد کریں (۳) مسلمانوں کے لئے Religious Authority قائم کریں۔ جن غیر مسلم ممالک میں مسلمان اقلیتوں مگر ملکی باشندوں کے طور زندگی گذار رہے ہیں وہاں دینی جماعتیں حکومتوں سے ٹکراؤ سے گریز کر کے صرف غیر مسلموں تک دعوت اسلام پہنچانے اور مسلمانوں میں تبلیغ توحید جیسے کاموں کی طرف ہی توجہ کریں اور مسلمانوں کے لئے Religious Authority قائم کرنی چاہیے۔

□○□

تحریک احیاء خلافت کا نظام

نام جماعت	تحریک احیاء خلافت
عقیدہ	لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مقصود	رضائے الٰہی
غایت	اعلائے کلمتہ اللہ
نصب العین	قیام خلافت
مرکز	جموں کشمیر
قیادت	امیر/امارت
مشاورت	شورائی
صورت وابستگی	بیعت امیر
مجالس	مرکزی شوریٰ، مجلس نائبین، مجلس ناصرین، مجلس سالکین
درجات	سالک، ناصر، نائب، داعی
شعبہ جات	۱.شعبہ دعوت و اصلاح ،۲.شعبہ تعلیم و تربیت، ۳.شعبہ انتظام مدارس ،۴.شعبہ مالیات و تجارت، ۵: شعبہ تعلقات عامہ ،۶ شعبہ برائے نکاح بیوگان ،۷شعبہ سیاسات ،۸شعبہ احیاء شعائر اسلامی۔

شعبہ دعوت واصلاح تحریک احیاء خلافت کی ذیلی تنظیم حزب التوحید نام سے، شعبہ سیاسیات مسلم دینی محاذ نام سے، شعبہ احیاء شعائر اسلامی تہذیب اسلامی نام سے، شعبہ تعلیم و تربیت شاہِ ہمدانؒ مرکز تعلیم، شعبہ خدمت خلق شیخ العالمؒ مرکز خدمت خلق نام سے کام کرے گا۔ ان شعبہ جات کو الگ الگ نام دینے سے مقصد ان کو نیم خودمختار بنانا ہے تاکہ یہ احسن و موثر طور پوری یکسوئی اور توجہ کے ساتھ کام کرسکیں۔

تحریک احیاء خلافت کا ایک امیر ہوگا جس کے ہاتھ پر تحریک سے وابستہ تمام لوگ بیعت کریں گے۔ تحریک کا ایک مرکزی مجلس شوریٰ ہوگی اور اس کے علاوہ سالکین، ناصرین اور نائبین کی مجالس مشاورت ہوں گی۔ امیر تحریک مرکزی مجلس شوریٰ کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔ تحریک سے وابستہ ہر فرد میں یہ صفات ہونا ضروری ہوں گی۔ ۱. وہ دین دار مسلمان ہو فرائض کی پابندی کرنے والا ہو۔ ۲. وہ شرک، بدعات و دیگر کبائر گناہ سے اجتناب کرنے والا ہو۔ ۳. امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے کیلئے تیار ہو ۴. وہ کسی دینی یا سیاسی جماعت کا رکن یا ممبر نہ ہو۔ ۵. وہ فقہی اور مسلکی معاملات میں متعصب نہ ہو۔ ۶. جموں وکشمیر پر بھارتی قبضے کو ناجائز اور عقیدہ توحید کے منافی سمجھتا ہو اور اس کے خاتمے کیلئے تحریک احیاء خلافت کی طرف سے فکری کوششوں میں علمی و عملی کاوشوں میں بقدر استطاعت شریک ہونے کیلئے تیار ہو۔ ۷. تحریک احیاء خلافت کے عقائد، نصب العین اور طریقہ کار سے پوری طرح اتفاق رکھتا ہو۔ ۸. ہر صورت میں امیر تحریک کی معروف میں اطاعت کیلئے تیار ہو۔

تحریک احیاء خلافت کے مرکزی اور ضلعی و تحصیل سطح کے تعلیمی مراکز ہوں گے جو تحریک سے وابستہ لوگوں کیلئے نشست گاہ بھی ہوں گے اور دفتر بھی۔

تحریک کے ساتھ مسلمانوں کی وابستگی تین طرح کی ہوگی۔

۱. **سالکین**: دائرہ سالکین چار سال تک تحریک کے مقرر کردہ نصاب کا مطالعہ کریں گے اس دوران تحریک کے تمام پروگرامات میں حصہ بھی لیتے رہیں گے چار سال کے بعد نصاب کے لئے لئے جانے والے امتحان میں کامیابی حاصل کرنے اور تحریکی سرگرمیوں میں اطمینان بخش کارکردگی کی بنیاد پر مسالک کو حلقہ ناصرین میں شامل کیا جائے گا مگر یہ فیصلہ خالصتاً امیر تحریک کا ہوگا جس میں مرکزی مجلس شوریٰ میں ایک دوارکان کا صوابدید بھی شامل ہوگی۔

۲. **ناصرین**: حلقہ ناصرین تین سال تک تحریک کے مقرر کردہ نصاب کا مطالعہ کریں گے اس دوران تحریک کے پروگرامات کیلئے تمام طرح کے انتظامات کرنے کے بھی ذمہ دار ہوں گے۔ تین سال کے بعد تحریکی سرگرمیوں میں اطمینان بخش کارکردگی کی بنیاد پر ناصر کو زاویہ نائبین میں شامل کیا جائے گا۔ یہ فیصلہ خالصتاً امیر تحریک کا ہوگا تاہم اس میں مرکزی مجلس شوریٰ میں ایک دوارکان کی صوابدید بھی شامل ہوگی۔ تحصیل سطح کے ذمہ دار ناصرین ہی ہوں گے۔

۳. **نائبین**: زاویہ نائبین اپنا مطالعہ جاری رکھیں گے۔ تحریک احیاء خلافت اور تحریک احیاء خلافت سے باہر جو علمی شخصیات اور اہل سلوک ہوں ان سے تعلیم و تربیت اور استفادہ کرتے رہیں گے۔ تحریک احیاء

خلافت کے تمام شعبہ جات کے مستولین نائبین میں ہی مقرر ہوں گے۔ ضلعی سطح کے ذمہ دار نائبین ہی ہوں گے اور نائبین ہی میں سے تحریک کی مرکزی شوریٰ کا انتخاب امیر تحریک کریں گے اگر چہ تحریک سے وابستہ ہر شخص داعی ہے اور اس کی پوری توجہ اس کی داعیانہ ذمہ داری کی طرف ہونی چاہیے تاہم نائبین میں دعوت دین اور خدمت خلق کا کام موثر اور احسن طریقے پر انجام دینے پر ان کو اعزاز آداعی کے لقب سے ملقب کیا جائے گا۔ تحریک سے وابستہ ہر شخص اپنے نام کے ساتھ اپنی تحریکی شناخت بھی استعمال کرے گا۔ تحریک احیاء خلافت سے وابستہ ہونے والے ہر شخص کی حیثیت (سالک، ناصر، نائب) کا تعین امیر تحریک ہی کریں گے۔

□○□

عقائد و عبادات

سب سے پہلے اسلام میں جس چیز کو بنیادی اہمیت حاصل ہے وہ عقائد ہیں، پھر فرائض اسلام اور پھر اسی طرح کی دیگر تعلیمات، یہاں پر فقیر چند عقائد اور فرائض پر مختصر گفتگو کرے گا۔

توحید:

عقیدہ توحید کو آپ اسلام کی روح کہہ سکتے ہیں۔ عقیدہ توحید میں بگاڑ ہو تو عنداللہ کوئی عبادت و نیکی قبول نہیں ہوتی خواہ اس عبادت و نیکی میں اخلاص اور مطابقت سنت ہی کیوں نہ ہو۔ جب ہم اخلاص کی بات کرتے ہیں تو مراد یہ ہے کہ ایک انسان نماز صرف اللہ کے لئے ہی پڑھتا ہے یہ جان کر عبادت بندوں پر ان کے خالق و مالک کا حق ہے۔ یہاں نماز میں اخلاص ہے مگر اسی شخص کے توحید الوہیت و ربوبیت اور توحید الاسماء و الصفات میں فساد ہے اور شرک کی آمیزش ہے تو بڑی مصیبت سے دوچار ہے۔ مسلمانوں کی بڑی اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ انسان تب ہی مرتکب شرک ہوتا ہے جب وہ ماسوائے

اللہ کسی اور کو الہ مانتا ہے۔ یہ درست ہے کہ یہ صورت صریح شرک کی ہے مگر اکثر لوگ اس طرح کے شرک میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ وہ شرک الوہیت اور شرک فی الصفات میں ٹھوکر کھاتے ہیں۔ مشرکین مکہ بھی ایک اللہ کو ہی خالق کائنات مانتے تھے ان کے اس یقین کی گواہی خود قرآن مجید نے دی ہے مگر وہ خود ساختہ معبودوں کو بھی مشکل کشا، حاجت روا اور فریاد رس مانتے تھے۔ جس طرح آج کل لوگ قبروں پر تصور آخرت کی تجدید کے بجائے مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لئے جاتے ہیں۔ یہ بہر حال شرک کی مرئی صورت ہے مگر عزیز جوانو! آج جس شرک کی طرف آپ کو دعوت دی جارہی ہے وہ بے حد خطرناک ہے یعنی اللہ کی حاکمیت میں جمہور (عوامی نمائندوں) کو شریک بنانے کیلئے آپ کو اسمبلی یا پارلیمنٹ کے لئے نمائندے منتخب کرنے کیلئے رائے دینے کیلئے تیار کرنا۔ پھر منتخب نمائندے قرآن وسنت سے بے پرواہو کر قانون سازی کرتے ہیں۔ یہ شرک کی واضح صورت ہے مگر اکثر مسلمان اسکو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اسی طرح خواہشات نفس کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مقابلے میں ترجیح دینا بھی شرک ہے (الفرقان: ۴۳) شرک کی یہ اور دیگر صورتیں وطن پرستی اور زر پرستی، دنیا پرستی، بھی شرک ہی ہے مگر لوگ ان شرکیہ صورتوں سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس لئے ضروری ہے کہ آپ یہ جان لیں عقیدہ توحید کا جامعہ مفہوم کیا ہے، شرک کی قدیم وجدید مرئی وغیر مرئی صورتیں کیا ہیں۔ جب بھی آپ اپنے عقیدہ توحید کو شرک سے بچا سکتے ہیں۔ عقیدے کی درستگی کے ساتھ مختصر عمل بھی عند اللہ مقبول ہے اگر اخلاص اور مطابقت سنت کیساتھ ہو، اسکے برعکس فسادِ عقیدہ سے تمام نیکیاں تباہ وبرباد ہو جاتی ہیں۔

رسالت:

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان ویقین کے معنی یہ ہیں کہ آپ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور برحق رسول مانتے ہوں۔ آپ اول عالم و عامل قرآن ہیں۔ آپ پر قرآن (لفظاً ومعناً) اور سنت (معناً) اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ آپ کی رسالت ماورائے زماں ومکاں ہے، آپ کی رسالت پر ایمان لائے بغیر انسان مسلمان نہیں ہوسکتا۔ آپ نے جو اخبار، قصص اور اطلاعات ماضی و مستقبل کے بارے میں ہم تک پہنچائی ہیں، اور جو ہم تک مستند طور پہنچی ہیں، کی وجدانی تصدیق کریں کہ آپ پر نازل شریعت ہر زمانے کے لئے ہر جگہ موزوں ہے۔ آپؐ کی شریعت کامل ہے اور یہ بات بھی ایمان بالرّسالت میں شامل ہے کہ آپؐ یہ ایمان رکھتے ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپؐ کے بعد جو بھی دعویٰ نبوت (مع شریعت یا بغیر شریعت) کرتا ہے کذاب ودجال ہے۔ اس کی نبوت کی تصدیق کرنا ارتداد ہے اسلئے مدعی نبوت اور اسکی تصدیق کرنے والا دونوں مرتد ہیں خواہ وہ پابند شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیوں نہ ہوں۔

آخرت:

عقیدہ آخرت موت محض کا نام نہیں ہے۔ اسلام میں عقیدہ آخرت کا جو تصور ہے وہ یہ ہے کہ انسان کا موت سے خاتمہ نہیں ہوتا اور انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ جی اُٹھنا ہے اور میدان حشر میں اپنے اعمال کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔ قبروں سے خروج، میدان حشر میں حاضری، نامۂ اعمال کی تقسیم، میزان، پل صراط، جنت یا جہنم میں دخول سب عقیدہ

آخرت میں شامل ہیں۔ عقائد میں اللہ کے ملائکہ، اللہ کی کتابوں اور خیر وشر کے من اللہ ہونے پر ایمان بھی شامل ہے۔

نماز:

نماز دین اسلام کا ایک اہم اور بنیادی ستون ہے۔ نماز فرض ہے یہ بات ہم سب کو معلوم ہے۔ پھر بھی اکثر مسلمان اس بارے میں غفلت سے کام لیتے ہیں۔ بے نمازیوں کے لئے سقر نامی جہنم تیار کی گئی ہے۔ نماز کے متعلق یہ غلط فہمی عام ہے کہ نماز فرض ہے بس اس لئے جب بھی پڑھی جائے تو کوئی بات نہیں۔ نماز فرض عین ہے اس کے ساتھ کچھ اور بھی فرائض جڑے ہوئے ہیں ۔مثلاً اوّل یہ کہ نماز وقت پر پڑھی جائے اور جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھی جائے۔ بنی اسرائیل کا دین جب تباہ و برباد ہوا جس کی وجہ سے وہ پھر دین فروشی اور انبیاء کرام کو قتل بھی کرنے لگے، اس کی شروعات نماز کو وقت پر نہ پڑھنے سے ہی ہوئی۔ جب مسلمان وقت پر نماز نہیں پڑھتا اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس سے جماعت بھی چھوٹ گئی اور مسجد بھی۔ یہاں بے نمازی یا ایک دو وقت نماز پڑھنے والوں کی بات نہیں ہو رہی ہے۔ کچھ لوگ ساری نمازیں پڑھتے ہیں مگر دفتر اور دکان سے لوٹنے کے بعد شام کے وقت! حالانکہ ظہر نماز فرض ہے بوقت ظہر اسی طرح عصر نماز فرض ہے بوقت عصر۔ نماز کو موخر کرنا جب جنگ میں جائز نہیں، بیماری میں جائز نہیں عام حالات میں جائز کیسے ہو سکتا ہے! شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ نماز اگر وقت مقررہ پر دانستہ طور نہ پڑھی جائے تو یہ کفر ہے پھر اگر بعد از وقت مقررہ پڑھی بھی جائے تو اب کفر تو نہ رہا البتہ وقت مقررہ پر نہ پڑھنے پر ارتکاب کبیرہ گناہ تو ہوا۔ قرآن مجید میں نماز کو مسنون

وقت کے بجائے تاخیر سے پڑھنے والوں کے لئے افسوس اور ویل نامی جہنم کی وعید آئی ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان مسنون وقت میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کریں خواہ وہ کتنے ہی مصروف و مشغول کیوں نہ ہوں نماز تاخیر سے نہ پڑھیں، بلکہ ہر صورت میں وقت مقررہ پر ہی پڑھیں۔

روزہ:

صوم کے معنی تو رُکنے کے ہیں۔ کس چیز سے رکنا مراد ہے؟ وہ چیزیں جو شریعت میں جائز و حلال ہیں۔ ایک مقررہ وقت صبح صادق سے غروب آفتاب تک اُن تمام چیزوں سے رکنا ہے جو فطری ضروریات ہیں۔کھانا پینا عمل زوجیت وغیرہ۔ یہ بات تو سبھی جانتے ہیں اور روزہ دار ماہ رمضان میں ان چیزوں سے وقت مقررہ کے لئے رکتے ہیں! مگر روزہ کا تعلق صرف منہ اور شرمگاہ کو مقررہ وقت میں روکنے کے ساتھ ہی نہیں ہے بلکہ روزے کا تعلق حواس خمسہ، دل و دماغ ہر عضو کے ساتھ ہے منہ اور شرمگاہ کو روکنا، دل و دماغ، آنکھ اور کان اور ہاتھ پیر کو روکنے کے مقابلے میں بہت آسان ہے۔انسان آنکھ اور کان سے فحاشی دیکھ اور سن رہا ہے، دل و دماغ میں فحش خیالات سے لطف اُٹھا رہا ہے، اگر ہاتھ پیر کسب حرام کے لئے استعمال کر رہا ہے، تو پھر بتایئے کہ کیا اس کا روزہ ہوا؟ حدیث نبوی میں آیا ہے کہ جو روزہ دار جھوٹ بولنے سے پرہیز نہیں کرتا اسکو صرف بھوک اور پیاس ملتی ہے نہ کہ روزہ۔ ضبط نفس کی یہ عبادت جب مسلسل تیس دن تک ادا کی جائے تو عین ممکن ہے کہ انسان روحِ صیام کو سمجھے کہ جس اللہ نے اس مبارک مہینے میں جائز و حلال چیزوں سے ایک خاص وقت کے لئے رکنے کے لئے فرمایا ہے اسی باری تعالیٰ نے ہمیں ہمیشہ

منکرات وفواحش سے رکنے کے لئے بھی فرمایا ہے۔ یہ کیسی سرکشی ہوگی کہ انسان ایک ماہ تک حتی المقدور اللہ کے حکم کی پیروی تو کرے پھر گیارہ ماہ اس کی نافرمانی کرے! روزوں سے تقویٰ کو مستقل قلبی کیفیت بنانے میں مدد ملتی ہے۔ روزہ دار روزوں میں چوری چھپے بھی کچھ کھاتا پیتا نہیں اس یقین کی وجہ سے کہ لوگوں کو اگر معلوم نہ ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہے اس نے روزہ توڑ دیا اور چوری چھپے کھایا پیا۔ یقین کی یہی کیفیت اس میں اگر باقی ایام میں بھی رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال واحوال پر ہر وقت، ہر جگہ نظر رکھتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جرأت کر سکے گا! یہی تعلیم تقویٰ روحِ صیام ہے۔ آج کل جوانوں میں شہوانی گناہ عام ہو رہے ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ مصنوعی طریقوں (ٹیلی ویژن، ریڈیو، انٹرنیٹ، موبائل فون، فحش کتب اور مخلوط تعلیم گاہ وغیرہ) سے ان کی فطری اور معتدل شہوت کو اشتعال دیا جا رہا ہے۔ جب سمندر میں طوفان سے اشتعال پیدا ہوتا ہے تو سمندر اپنے کناروں کو پھاند کر طغیانی لاتا ہے۔ ظاہر ہے جب جوان میں شہوت کی آگ بھڑکائی جاوے گی تو وہ فطرت کی سرحدیں پھاندنے پر آمادہ رہے گا۔ نماز انسان کو فحاشی اور منکرات سے روکتی ہے۔ جو جوان اس آگ سے بچنا چاہتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ نماز پنجوقتہ کی پابندی کریں۔ وقت گذرنے کے ساتھ ہی پنجوقتہ نماز کی پابندی ان کو تہجد پڑھنے کی ترغیب بھی دے گی انشاء اللہ۔ فحاشی سے بچنے کی دوسری ڈھال روزہ ہے۔ حدیث نبوی میں نکاح کی قدرت نہ رکھنے والے جوانوں کو روزہ رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اسلئے کہ روزے شہوت کی آگ کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔ جوانوں کو چاہیے کہ وہ ہر ہفتہ ایک دو دن یا کم سے کم ہر ماہ ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ

قمری مہینوں کی) کے روزے رکھیں اور عام حالات میں بھی غذا صرف اسی قدر کھائیں جس سے بھوک مٹ جائے۔ حکمت ودانائی بھوک میں ہے اور بسیار خوری سے نار شہوت کو ایندھن حاصل ہوتا ہے۔ زیادہ کھانے والے، زیادہ سونے والے، زیادہ باتیں کرنے والے، لوگوں کے ساتھ زیادہ تعلق (غیر ضروری) رکھنے والے دنیا میں کوئی قابل قدر کام انجام نہیں دے سکتے۔

کم خور و کم خواب و کم گفتار باش
گرد خود گردندہ چوں پرکار باش

علامہ اقبالؒ

ترجمہ: کم کھانے والا، کم سونے والا اور کم باتیں کرنے والا بن جا۔ پرکار کی طرح اپنے اردگرد گھومنے والا بن جا۔

نفل روزوں اور تہجد کی پابندی بظاہر نفس کو گراں محسوس ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے نفس کو عیاشی اور کاہلی کا عادی بنایا ہے۔ عام لوگوں کو عیاشی اور لہو لعب میں جو لطف ملتا ہے اس سے زیادہ بہت زیادہ لطف اللہ کے محبوب بندوں کو رات کے وقت نرم و گرم بستر چھوڑ کر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھنے اور آہ وزاری کرنے میں ملتا ہے۔ ایک آخرت فراموش کو جو خوشی مالِ حرام اور سود کی رقم حاصل کرنے میں محسوس ہوتی ہے اس سے لاکھ کروڑ درجہ زیادہ خوشی اللہ تعالیٰ کے نیک بندے کو مالِ حلال صدقہ و خیرات کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ جو لطف ایک فاسق کو اجنبی عورت کی طرف دانستہ طور دیکھنے میں ملتا ہے اس سے کہیں زیادہ لطف ایک مومن کو اجنبی عورت پر غیر دانستہ طور نظر پڑنے پر فوراً نظر جھکانے میں ملتا ہے کیونکہ۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ کی فرضیت واہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کا حکم قرآن مجید میں الصلوٰۃ کے ساتھ ساتھ آیا ہے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں کے خلاف خلیفہ الرسول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اعلان جنگ کیا۔ زکوٰۃ فرض ہے یعنی فرض عبادت ہے۔ نفل صدقہ وخیرات نہیں کہ اس میں آپ کی مرضی کا کچھ عمل دخل رہے۔ اسلام نے اس کا نصاب مقرر کیا ہے۔ ساتھ ہی اس کے مستحقین کی تفصیل بھی بتا دی ہے۔ بدنی عبادت میں جو حیثیت نماز کو حاصل ہے وہی حیثیت مالی عبادت میں زکوٰۃ کو حاصل ہے۔ نصاب مقررہ پر ایک سال گذرنے پر زکوٰۃ صاحب نصاب پر فرض ہو جاتی ہے۔ بعض اہل علم یہاں تک کہتے ہیں کہ جو صاحب نصاب زکوٰۃ نہیں دیتے ان کی نماز قبول نہیں ہوتی زکوٰۃ معاشرے میں معاشی مساوات قائم رکھنے میں بنیادی رول ادا کرتی ہے۔ زکوٰۃ سونا چاندی، نقدی، عروض التجارہ اور مویشی پر عائید ہوتی ہے۔ فقہ کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اسلامی حکومت صاحب نصاب لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتی ہے۔ زکوٰۃ دینے سے انکار کرنیوالوں سے زبردستی حاصل کی جاتی ہے اور تادیباً ان کی نصف جائیداد بھی ضبط کی جاسکتی ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے نہ صرف طہارت وتزکیہ نفس ہوتا ہے بلکہ مال کی حفاظت بھی ہوتی ہے، اور اس میں حبِ دنیا جیسی خطرناک بیماری کا علاج بھی مضمر ہے۔ ایک شخص پر زکوٰۃ کا صرف اگر ایک ہزار روپیہ ادا کرنا فرض ہے اور وہ یہ رقم بطور زکوٰۃ بنیتِ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، ایک لاکھ روپے صدقہ وخیرات کے طور خرچ

کرتا ہے لیکن اس نے پھر بھی زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے۔ وہ تارک فرض ہی کہلائے گا۔ جو فرض ادا نہیں کرتا اس کی سنت کی ادائیگی مقبول نہیں۔ جو سنت کی ادائیگی نہیں کرتا اس کی نفل قبول نہیں ہوتی۔ عزیز جوانو! یہ جو معاشرے میں جرائم اور فحاشی (جسم فروشی) عام ہو رہی ہے اس کی ایک اہم وجہ معاشرے میں پایا جانے والا معاشی عدم توازن بھی ہے۔ غربت اور افلاس کی وجہ سے ہمیشہ جرائم اور فحاشی کو فروغ ملتا ہے۔ اس صورت حال کے لئے معاشی طور آسودہ حال اور صاحب نصاب لوگوں، جو زکوٰۃ نہیں دیتے ہیں کی عند اللہ سخت پکڑ ہو گی۔ بتایئے آج اگر ابوبکرؓ ہمارے خلیفہ ہوتے وہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے خلاف اعلان جنگ کرتے اور جو لوگ حضرت صدیقؓ کی تلوار سے قتل ہو جاتے، ان کا انجام کیا ہو گا؟ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مالداروں کے اموال میں سائل و محروم کا حق ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں پہلے مستحق رشتہ داروں کو ترجیح حاصل ہے پھر ہمسائیگی میں رہنے والے مستحقین کو پھر دوسرے مسلمان مستحقین کو۔

حج:

آپ نے دیکھا ہو گا کہ اگر آپ بیت اللہ گئے ہوں گے کہ وہاں تمام ممالک سے زیادہ تر جوان مسلمان ہی حج کیلئے آتے ہیں مگر برصغیر پاک و ہند، بنگلہ دیش اور کشمیر سے زیادہ تر صرف عمر رسیدہ لوگ ہی نظر آئیں گے۔ (الحمدللہ اب اس محکوم اور معتوب خطے (کشمیر) سے بھی نوجوانوں میں جوان عمری میں ہی فریضۂ حج انجام دینے کی سعادت حاصل کرنے کا رجحان بڑھنے لگا ہے) حالانکہ اس عبادت کی فرضیت کا تعلق زادِ سفر سے ہے نہ کہ کسی خاص عمر سے! مسلمان کو جونہی زادِ سفر (آج کل اسی پچاسی ہزار روپے) میسر ہو جائیں تو اس

پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ یہاں رواج یہ ہے کہ جناب پہلے بنگلہ خریدیں گے، پھر موٹر کار خریدیں گے، پھر بچوں کو ڈاکٹر یا انجینئر بنانے کیلئے بنک میں لاکھوں کی رقم جمع کریں گے پھر لاڈلی بیٹی کے جہیز کیلئے لاکھوں روپے بینک میں رکھیں گے اور اس کی شادی پر بے پناہ اسراف کرنے کے لئے ڈھیر ساری دولت پس انداز رکھیں گے، تو پھر باقی اگر کچھ بچا تو حج کرنے کے بارے میں سوچیں گے لوگوں میں یہ بات جو عام ہوگئی ہے کہ کسی غریب لڑکی کا نکاح کرانا کسی یتیم کی پرورش کرنا حج اکبر ہے بالکل غلط بات ہے یہ کام بے حد مسنون ہیں مگر فرض حج کا متبادل نہیں ہو سکتے۔ فرض حج پر ان کو ترجیح نہیں دی جا سکتی البتہ اہل علم کی رائے یہ ہے کہ نفل حج پر اس طرح کے کاموں کو ترجیح حاصل ہے۔ حج کے ساتھ لوگوں نے اب خود کچھ اور چیزیں جوڑ دی ہیں مثلاً حج پر جانے سے پہلے اور واپسی پر دعوت کا اہتمام کرنا، ویڈیو گرافی اور اسی طرح کی دیگر بدعات وغیرہ اب لوگ حج کے متعلق سوچتے وقت ان بدعات پر خرچ ہونے والی رقم کے متعلق بھی سوچتے ہیں، جس سے فریضہ حج انجام دینے میں دشواری پیدا ہوتی ہے۔ یہ چیزیں چونکہ زادِ سفر میں شامل نہیں ہیں اسلئے ان بدعات کا قلع قمع ہونا چاہیے تاکہ حج جیسی عبادت کو ریا کاری سے پاک وصاف کیا جائے زاد سفر کے باوجود بھی جو مسلمان فریضہ حج انجام نہیں دیتا اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے وہ یہود ہو کر مرے یا نصاریٰ ہو کر۔

سعی مسلسل:

چنانچہ دنیا کی اس امتحان گاہ میں میں جب ایک مسلمان (مرد یا عورت) شعور کی عمر کو پہنچتا ہے تو وہ جدوجہد کی شاہ راہ پر گامزن ہونے کیلئے

مکلّف ٹھہرتا ہے۔ وہ احکام الٰہی اَور فرمودات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اپنی زندگی کو سنوارنے کی فکر کرنے لگتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ عملاً اکثر مسلمان بڑھاپے کی عمر میں بھی اپنی زندگی پر شریعت اسلامیہ کا رنگ غالب کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے۔ شعور کی زندگی میں قدم رکھنے کے ساتھ ہی سرکش نفس اپنی تمام تر توانائیوں اور دلفریبیوں کے ساتھ مسلمان کو دعوت مبارذت دیتا ہے۔ جس خوش نصیب پر قرآن وحدیث میں منعکس دلکش اور کامیاب زندگی اپنے والدین، خاندان، اساتذہ، معاشرے یا حکومت (اسلامی) وقت یا سعادت منداحباب کی کوششوں اور راہنمائیوں کے سبب کھل گئی ہو وہ اس مبارذت یعنی جہاد بالنفس کو خوشی خوشی قبول کر کے ابلیس ملعون کی تمام تر ترغیبات وترہیبات کو مات دیکر فوز وفلاح سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ یہ جدوجہد مہلت امتحان یعنی زندگی کے خاتمے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس جدوجہد میں انسان کے افکار وخیالات اور افعال واعمال کا امتحان لیا جاتا ہے۔ یہ جدوجہد مسلسل ایک مومن (مرد عورت) اپنی زندگی کی ہر حالت میں اپنے ہر عضو سے لڑنے کا مکلّف ہے۔ شیطان ایک مسلمان کو اسی میدان میں بچھاڑنے کیلئے اپنی نہایت پرفریب چالیں استعمال میں لاتا ہے۔ اس میدان میں شیطانی ہتھیاروں کا وہ عالم ہے کہ اکثر مسلمان لہولہان یا نیم مردہ ہونے کے باوصف بھی کہتے ہیں کہ ہم صحیح سلامت ہیں۔ مثلاً ریّا کے خنجر سے ابلیس ایک عابد کی عبادت (مالی وجسمانی) کا خاتمہ کرتا ہے اور ایسا عابد اس زعم میں مبتلا ہوتا ہے کہ وہ عبادت کرتا ہے (علیٰ ھٰذ القیاس)۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اعمال صالحہ میں ایک دوسرے کے

ساتھ مربوط رہنے اورایک دوسرے کی اعانت کرنے کے واضح احکامات فرمائے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ والدین اپنی اولاد کی صالح زندگی کیلئے فکرمند رہتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ بلّغوا ولوآیۃ کی ہدایت مقدسہ موجود ہے۔پوری انسانیت کو ابلیس کے فریبوں اور دھوکوں کے خلاف مسلسل اور متحرک طور پر جہاد کرنے کیلئے ایک انسان کو دوسرے انسان کو سمجھانے اور آمادہ کرنے کی ذمہ داری سونپ دی گئی ہے۔البتہ اس عمل میں غیر مسلموں کے ساتھ جبر اکراہ کی سخت ممانعت ہے۔ارشاداتِ الٰہی اور فرمودات رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہوکر ہی اس جہاد اکبر کی کامیابی ممکن اور یقینی ہے۔اس بنیادی اور حقیقی فریضے کی عمل آوری میں جس طرح ہر بالغ مسلمان مرد اور عورت اپنے اپنے دائرہ کار میں ذمہ دار ہے۔بالکل اسی طرح احکام ربانی اور ہدایات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنفیذ میں اسلامی حکومت کی بھی ذمہ داری بنتی ہے مگر اس وقت بدنصیبی سے اکثر حکومتیں ہی اپنے تمام اداروں کو ابلیس کی طرفداری میں استعمال کرتی ہیں۔بہر حال ایک باشعور اور باحمیت مسلمان کو اپنے ممکنہ اور دستیاب وسائل کو استعمال کر کے عالم انسانیت کے لئے دین رحمت کی ترویج اور پیشرفت کیلئے کام کرنا چاہیئے تا کہ دوسرے انسانوں کو بھی اپنے نفس کے ساتھ جہاد کر کے اخروی فوز وفلاح نصیب ہو۔

دین اسلام کی اس رحمت فشانی سے جو بدنصیب جان بوجھ کر محروم رہنے کا وطیرہ اختیار کریں وہ خود ہی اس کا بدترین خمیازہ بھگتیں گے۔البتہ اگر اس اعلیٰ وارفع فریضے کو آگے بڑھانے سے روکنے کیلئے کوئی شخص جماعت یا حکومت سدراہ بن جائے اور تمام عقلی ونقلی دلائل وبراہین سے سمجھائے جانے کے باوجود

بھی اپنی ضد اور ہٹ پر قائم رہے تو خود شناس وہ خدا فہم مومن کو لا اکراہ فی الدین کا آفتاب ہدایت سامنے رکھ کر اپنی قوت اور استعداد کے مطابق سعی و عمل میں لگا رہنا چاہیئے۔ اللہ کے دین، جو بنی نوع انسان کیلئے دنیا و آخرت میں سراسر رحمت ہے اور جس کے تمام ارکان کی بجا آوری کیلئے یہی جہاد "نفس کے ساتھ جہاد" تحریک، ترغیب اور تشویق دلاتا ہے، کی راہ میں مزاحم قوتوں کو مغلوب کرنیکی کاوشوں سے ایک ایسی منزہ فضا پیدا ہوسکتی ہے جس میں سرکش نفس کی پامالی کے زیادہ سے زیادہ امکانات پیدا ہونگے۔ جہاد کا یہ مرحلہ ایک مومن کو اپنی جان اور اپنا مال یعنی اپنا سب کچھ راہ حق میں نچھاور کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ جو خوش بخت جہاد کے پہلے مرحلے کے آداب اور تقاضوں سے مکمل طور پر عہدہ برآ ہوتا ہے وہی جہاد کے دوسرے مرحلے یعنی خدمت دین کے تقاضوں پر بھی بزبانِ جان لبیک کہتا ہے۔ اعلائے کلمتہ اللہ کے لئے سعی مسلسل اسلام کے جملہ تقاضوں سے عبارت ہے۔ عبادت میں ہر وہ قول و فعل شامل ہے جس سے اللہ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ علامہ اقبال کا یہ شعر غالباً میرے مقصد کی تفہیم میں مددگار ثابت ہوگا۔

یہ فقر مرد مسلماں نے کھو دیا جب سے
رہی نہ دولت سلمانی و سلیمانی!

علامہ اقبالؒ

□○□

بیعت کی شرعی حیثیت

بیعت کے معنی معاہدے کے ہیں، اعمال باطنی وظاہر کے اہتمام اور التزام احکام کا اس کو بیعت طریقت کہا جاتا ہے جواز سلف تا خلف بتواتر رائج ہے۔ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کبارؓ کی کئی طرح کی بیعت ثابت ہے۔

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب فرما کر علاوہ بیعت جہاد و بیعت اسلام التزام احکام و اہتمام اعمال کیلئے بیعت فرمایا ہے۔

حضرت عوف بن مالکؓ سے روایت ہے:

''ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ نو آدمی تھے یا آٹھ۔ ارشاد فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کرتے! ہم نے اپنے ہاتھ پھیلائے اور عرض کیا کہ کس امیر پر آپ سے بیعت کریں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ آپ نے ارشاد فرمایا ان امور پر کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور احکام

سنو اور مانو (مسلم) ظاہر ہے یہ بیعت اسلامی تھی (بیعت عقبہ) نہ بیعت جہادی (بیعت رضوان) لہٰذا اس حدیث میں بیعت مروجہ کا صریح ثبوت ہے۔

بیعت کی علوی و اصلی صورت تو یہی ہے کہ ہر مسلمان کی گردن میں امیر المومنین کی بیعت کا طوق ہو مگر جب امیر المومنین ہی نہ ہو پھر بیعت کی کیا صورت ہے۔ پانی نہ ملنے پر وُضو کی روح تیمّم سے ہی زندہ رکھی جا سکتی ہے اسی طرح بیعت امیر المومنین کی روح مروجہ بیعت سے ہی زندہ رہ سکتی ہے اور اس لئے اس میں کسی طرح کی شرعی قباحت نہیں ہے اگر مسلمان تعلیم و تربیت، تزکیہ نفس اور طہارت قلب بالخصوص اپنے اندر مسلسل اور مکرر احساس احتساب برقرار رکھنے کیلئے علماء و اولیاء کے ہاتھوں پر بیعت کریں۔

معمولات یومیہ

۱. تہجد کی نماز پوری پابندی کے ساتھ پڑھیں۔

۲. بعد از نماز تہجد اللہ کی تعریف و تسبیح اور ایک بار درود ابراہیم پڑھ کر دعا کیا کریں۔ دعا میں سب سے پہلے گناہوں کے لئے مغفرت، دین و ایمان کی سلامتی، فتنہ دنیا و عذاب قبر سے حفاظت، خاتمہ بالخیر کی دعائیں کریں اور پھر دیگر دعائیں مانگیں آخر پر ایک بار پھر درود ابراہیم پڑھیں۔

۳. بعد از دعا مندرجہ ذیل اذکار و تسبیحات کو معمول بنائیں:

۱. لا الله الا الله سومرتبہ

۲. درودِ ابراهیم سومرتبہ

۳. لاحول ولاقوة الا بالله سومرتبہ

۴. لا اله الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین سومرتبہ

۵. سبحان الله و بحمده سبحان الله العظیم سومرتبہ

۴. بعد از فجر نماز منزل کی تلاوت کریں اور تلاوت کے بعد دعائے استعاذہ کریں پھر ایک مرتبہ سید الاستغفار کی دعا کریں۔

۵. فجر نماز سے ظہر نماز تک کسی بھی وقت سفر و حضر میں اسماء الحسنیٰ پڑھیں ہر اسم کو سات بار پڑھیں۔

۶. ظہر نماز سے عصر نماز تک کسی بھی وقت سفر و حضر میں سو مرتبہ درودِ ابراہیم پڑھیں۔

۷. عصر نماز سے پہلے چار رکعت نفل (نماز شکرانہ پڑھیں) اللہ نے جو نعمتیں تمہیں دی ہیں ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا، ان نعمتوں پر شکر کروگے تو اللہ حسب وعدہ اور زیادہ نعمتیں عطا کرے گا۔

۸. عصر نماز سے مغرب نماز تک کسی بھی وقت سفر و حضر میں سو مرتبہ درودِ ابراہیم پڑھیں۔ جمعہ کے دن بعد از نماز عصر سورہ الکہف کی تلاوت کیا کریں۔

۹. مغرب سے عشا تک کا وقت نزولِ آفات کا وقت ہے اس لئے اس وقت کثرت سے لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کریں۔

۱۰. عشاء نماز کے بعد سونے سے پہلے سورہ الفاتحہ کی سات مرتبہ، آیت الکرسی کی سات مرتبہ، معوذتین کی سات مرتبہ اور سورہ الملک کی ایک مرتبہ تلاوت کریں پھر ایک بار سید الاستغفار پڑھیں۔

۱۱. با وضو ہو کر دائیں کروٹ پر سو کر ایک بار آیت الکرسی، ایک ایک مرتبہ سورہ اخلاص، الفلق اور الناس پڑھیں۔ دونوں ہاتھوں پر دم کر کے تمام بدن پر ہاتھ مل لیا کریں پھر سونے کی دعا پڑھیں۔

۱۲.	ہفتے میں ایک بار قریب المرگ بیمار کی عیادت کریں اور آدھ یا ایک گھنٹہ قبرستان میں گذاریں۔

آپ ان یومیہ معمولات پر عمل کریں صرف 40 دن کے بعد انشاءاللہ آپ اپنے آپ میں مثبت تبدیلی محسوس کریں گے۔ ان معمولات پر عمل کرنے کی عادت پختہ ہو جائے پھر عبادات، ریاضات اور اذکار و تسبیحات میں مزید اضافہ کرنے کی ضرورت ہے۔ بالمشافہ ملاقات میں اس کی تفصیلی بتا دی جائے گی انشاءاللہ۔

آداب طریقت

کوئی کمال مقصود بدوں استاد کے حاصل نہیں ہوتا۔ جب راہ سلوک میں آنے کی توفیق ہو استاد طریق کو ضرور تلاش کرنا چاہئے۔ جس کے فیض تعلیم و برکت محبت سے مقصود تک پہنچے۔ طریقت در حقیقت شریعت ہی پر عمل کا نام ہے کوئی زائد چیز نہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ طلب صادق اور جذبہ صحیح موجود ہو تا کہ رغبت اور شوق سے عمل کیا جا سکے۔ بیعت و طریقت کا مقصود یہ ہے کہ انسان کا ظاہر و باطن سنوارا جائے۔ چونکہ بدون علامت تلاش ناممکن ہے۔ اس لئے اس مقام پر شیخ کامل کے چیدہ چیدہ شرائط و علامات لکھے جاتے ہیں:

۱. بقدر ضرورت علم شریعت سے واقفیت رکھتا ہو تا کہ خود کو اور طالبین کو فساد عقائد و اعمال سے محفوظ رکھ سکے۔

۲. پرہیز گار ہو کبائر اور صغائر سے بچتا ہو یعنی ارتکاب کبائر اور اصرار علی الصغائر سے بچتا ہو۔

۳. تارک دنیا، راغب آخرت ہو۔ ظاہری اور باطنی طاعات پر مداومت رکھتا ہو ورنہ طالب کے قلب پر برا اثر پڑے گا۔

۴. مریدوں کا خیال رکھے، کوئی کام ان سے خلاف شرع ہو جائے تو ان کو متنبہ کرے۔
۵. بزرگانِ دین کی محبت سے فیضیاب ہو۔
۶. بنسبت عوام کے خواص یعنی علماء وفقراء کے نزدیک اس کی قبولیت زیادہ ہو۔
۷. اس کی صحبت میں یہ اثر ہو کہ توجہ الی اللہ میں زیادتی اور خیالات دنیوی میں کمی معلوم ہوتی ہو۔
۸. کسی کامل شیخ کی جانب سے ماذون واجازت یافتہ ہو۔
۹. اس کا کلام بزرگان پیشین کے کلام کے مشابہ ہو۔
۱۰. یہ کہ اس کے مریدین میں سے اکثروں کی حالات درست ہو۔
۱۱. کسی شیخ کامل میں کشف وکرامات وخوارق کا ظاہر ہونا اور تارک کسب ہونا ضروری نہیں بلکہ دنیا کا حریص وطامع نہ ہو۔ چونکہ فن سلوک میں بعض حضرات کا ذوق سلوک ولایت کی طرف ہوتا ہے اور بعض طبعی طور پر سلوک نبوت کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ فن سلوک کے واقف کاروں کا کہنا ہے کہ جن لوگوں کا راستہ سلوک ولایت کا ہے۔ ان میں سوز وگداز جذب ومحویت اور شورش عشق کا اثر نمایاں ہوتا ہے بلکہ کشف وکرامات کا ظہور بھی علانیہ نظر آتا ہے۔ اس لئے یہ حضرات عوام کی نگاہ سے چھپے نہیں رہتے۔ مگر جو سلوک نبوت کے راہی ہیں ان میں وجد وکیفیات کی دھوپ چھاؤں کا اثر بالکل نظر نہیں آتا۔ نہ ان سے حسی کرامات کا ظہور ایسا ہوتا ہے وہ خود چھپے رہتے ہیں اور ان کے

کمالات بھی عوام کی نگاہ میں آنے نہیں پاتے ان کے یہاں حسیت پر
معنویت غالب رہتی ہے اور معنویت ایسی چیز نہیں کہ اہل نظر کے سوا
کوئی اسے دیکھ سکے۔

□○□

حقوق شیخ

۱. پیر کے پاس مسواک کر کے صاف کپڑے پہن کر جائے۔

۲. ادب کے ساتھ پیش آئے۔

۳. نگاہ حرمت و تعظیم سے اس پر نظر کرے۔

۴. جو بتلا دے خوب توجہ سے سنے اور خوب یاد رکھے۔

۵. جو بات سمجھ میں نہ آئے اپنا قصور سمجھے۔

۶. اس کے سامنے کسی اور کا قول مخالف ذکر نہ کرے۔

۷. اگر کوئی پیر کو برا کہے حتی الوسع اس کا دفعیہ کرے ورنہ وہاں سے اُٹھ کھڑا ہو۔

۸. جب حلقہ کے قریب پہنچے سب حاضرین کو سلام کرے اگر تقریر، ذکر و مراقبہ میں ہو تو سلام نہ کرے۔

۹. پیر کے روبرو. بہت نہ ہنسے نہ بہت باتیں کرے ادھر ادھر نہ دیکھے نہ کسی اور کی طرف متوجہ ہو بالکل شیخ کی طرف متوجہ رہے۔

۱۰. حالت بعد و غیبت میں اس کے حقوق کا خیال رکھے۔
۱۱. کبھی کبھار خط و کتابت وغیرہ سے پیر کا دل خوش کرتا رہے۔
۱۲. یہ اعتقاد کر لے کہ میرا مطلب اسی مرشد سے حاصل ہوگا اور اگر دوسری طرف توجہ کرے گا تو مرشد کے فیض و برکات سے محروم رہے گا۔
۱۳. ہر طرح سے شیخ کا مطیع ہو اور جان و مال سے اس کی خدمت کرے کیونکہ بغیر محبت پیر کے کچھ نہیں ہوتا اور محبت کی پہچان یہی ہے کہ شیخ جو کہے اس کو فوراً بجالائے اور بغیر اجازت اس کے فعل کی اقتداء نہ کرے۔ چونکہ بعض اوقات وہ اپنے حال اور مقام کے مناسب ایک کام کرتا ہے کہ مرید کا اس کو کرنا زہر قاتل ہے۔
۱۴. شیخ کے بتائے ہوئے معمولات و وظائف پر پابندی کرے۔
۱۵. شیخ کے مصلّٰی، کپڑے وغیرہ پر پیر نہ رکھے۔
۱۶. جس جگہ مرشید بیٹھتا ہو اس طرف پیر نہ پھیلائے اگرچہ سامنے نہ ہو اور اس طرف تھوکے نہیں۔
۱۷. جو کچھ مرشد کہے یا کرے اس پر اعتراض نہ کرے کیونکہ جو کچھ وہ کرتا ہے یا کہتا ہے الہام سے کرتا اور کہتا ہے۔ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ یاد کرے۔
۱۸. اپنے مرشد سے کرامت کی خواہش نہ کرے۔
۱۹. اگر کوئی شبہ دل میں گزرے فوراً عرض کرے اور اگر وہ شب حل نہ ہو تو اپنے فہم کا نقص سمجھے اور اگر شیخ اس کا کچھ جواب نہ دے تو جان لے کہ میں اس کے جواب کے لائق نہ تھا۔

۲۰. خوابوں کو مرشد سے عرض کرے اور جو تعبیر ذہن میں آئے وہ بھی عرض کرے۔

۲۱. مرشد کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے اور باآواز بلند اس سے بات نہ کرے اور بقدر ضرورت مختصر کلام کرے اور نہایت توجہ سے جواب کا منتظر رہے۔

۲۲. اپنے شیخ کے کلام کو دوسروں سے اس قدر بیان کرے جس قدر لوگ سمجھ سکیں اور جس بات کو یہ سمجھے کہ لوگ نہ سمجھ سکیں گے تو اسے بیان نہ کرے۔

۲۳. اپنے بھلے یا برے حال کو مرشد سے عرض کرے کیونکہ مرشد طبیب قلبی ہے۔ اطلاع کے بعد اس کی اصلاح کرے گا۔ مرشد کے کشف پر اعتماد کر کے سکوت نہ کرے۔

۲۴. جو کچھ فیض باطن سے پہنچے اسے مرشد کا طفیل سمجھے۔ اگرچہ خواب میں یا مراقبہ میں دیکھے کہ دوسرے بزرگ سے پہنچا ہے تب بھی یہ جانے کہ مرشد کا کوئی لطیفہ اس بزرگ کی صورت پر ظاہر ہوا ہے۔

مگر یہ سب آداب شیخ کامل کے ہیں جس کی علامات گزر چکی ہیں۔

تحریک احیاءِ خلافت

تحریک احیاء خلافت کی بنیاد توحید کے جامعہ تصور، ختم نبوت کے راسخ عقیدے، عقیدۂ آخرت کے وجدانی یقین، عبادت کے ایسے جامعہ تصور جس سے انسان کی پوری زندگی کا احاطہ ہوتا ہے، سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برضا عملی اتباع، دعوت دین اور فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیلیئے جان، مال اور وقت قربان کرنے پر ہر وقت آمادگی اور قیام خلافت کے آفاقی نصب العین پر ہے۔

ہمیں آپ کی ضرورت ہے

ملتمس

امیر

تحریک احیاء خلافت

نصاب برائے سالکین
(سال اوّل)

۱.تیسیر القرآن (جلد اول)	ازمولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ
۲.معارف الحدیث (جلد اول، دوم)	ازمولانا منظور نعمانیؒ
۳.فقہ السنہ (نصف اول)	ازمولانا محمد عاصم
۴.عقیدۃ المومن	ازمولانا ابوبکر الجزائری
۵.کتاب التوحید	ڈاکٹر صالح فوزان الفوزان
۶.ختم نبوت	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
۷.مرنے کے بعد کیا ہوگا؟	ازمولانا عاشق الٰہیؒ
۸.پیغمبر اعظم و آخر	نصیر الدین ناصر
۹.عشق مجازی کی تباہ کاریاں	امام ابن الجوزیؒ
۱۰.جادہ و منزل	سید قطب شہیدؒ
۱۱.مسئلہ کشمیر کی شرعی حیثیت	ڈاکٹر محمد قاسم
۱۲.مسلکی مساجد اور تفریق بین المومنین	//
۱۳.حفظ (پارہ عمہ)	

نصاب برائے سالکین
(سال دوم)

کتاب	مصنف
۱.تیسیر القرآن (جلد دوم)	//
۲.معارف الحدیث (جلد سوم، چہارم)	//
۳.سیرت المصطفیٰ (جلد اول)	علامہ ادریس کاندھلویؒ
۴.فقہ النسہ (نصف آخر)	//
۵.اسلام میں عبادت کا حقیقی مفہوم	علامہ یوسف القرضاوی
۶.حُب رسول	ڈاکٹر اسرار احمد
۷.وفاداری یا بیزاری	مقصود الحسن فیضی
۸.انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر	مولانا سید ابوالحسن ندویؒ
۹.عقیدہ توحید اور بھارتی انتخابات میں شرکت	ڈاکٹر محمد قاسم
۱۰.سیرت الصحابہ (جلد اول)	علامہ یوسف کاندھلویؒ
۱۱.کشمکش	چودھری عباسؒ
۱۲.منہاج العابدین	امام غزالیؒ

حفظ (پارہ ۲۹)

نصاب برائے سالکین

(سال سوم)

۱.تیسیر القرآن (جلد سوم)	//
۲.معارف الحدیث (جلد پنجم ششم ہفتم)	//
۳.سیرت المصطفیٰ (جلد دوم)	//
۴.فقہ الحدیث (جلد اول)	امام محمد بن علی شوکانیؒ
۵.فتنہ مرزائیت	علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ
۶.بندگی	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ
۷.فتح المجید شرح کتاب التوحید (جلد اول)	عطاء اللہ ثاقب
۸.حجیت حدیث	مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہؒ
۹.سود	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
۱۰.سیرت الصحابہ	
۱۱.الفاروقؓ	علامہ شبلی نعمانیؒ
۱۲.کشمیریت اور اتحاد بین المسلمین	ڈاکٹر محمد قاسم
حفظ (پارہ ۲۸)	

نصاب برائے سالکین

(سال چہارم)

۱تیسیر القرآن (جلد چہارم)	//
۲.حدیث کا تعارف	مولانا محمد فاروق خان
۳.سیرت المصطفیٰ (جلد سوم)	//
۴.فقہ الحدیث (جلد دوم)	//
۵.فتح المجید شرح کتاب التوحید (جلد دوم)	//
۶.علوم القرآن	جسٹس مفتی تقی عثمانی
۷.اسلام کا معاشی نظام	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
۸.شرکیہ قوانین کی حمایت	ابو محمد عاصم المقدسی
۹.ملت ابراہیم (طواغیت کا انکار)	//
۱۰سیرت الصحابہ (جلد سوم)	//
۱۱خلافت اور جمہوریت	مولانا عبد الرحمٰن کیلانیؒ
۱۲تزکیہ نفس	مولانا احسن اصلاحی

نصاب برائے ناصرین (سال اوّل)

۱.تدبر القرآن (جلد۱۔۳)	مولانا امین احسن اصلاحیؒ
۲.بلوغ المرام (جلد اول) (اردو)	حافظ احمد بن حجر العسقلانیؒ
۳.آسان اصول فقہ	مولانا محمد فاروق خان
۴.تاریخ دعوت وعزیمت (جلد۱۔۲)	مولانا سید ابوالحسن ندویؒ
۵.الفوز الکبیر (اردو)	امام شاہ ولی اللہؒ
۶.المرشد الامین	امام غزالیؒ
۷.اسلام اور امن عالم	سید قطب شہیدؒ
۸.خاک اور خون	نسیم حجازیؒ
۹.حیات امام ابن تیمیہؒ	ڈاکٹر ابوزہرہ یا مولانا کوکن عمری
۱۰.اصول تفسیر	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ
۱۱.سیاست الٰہیہ	//
۱۲.اسلام میں عدل اجتماعی	سید قطب شہیدؒ
۱۳.مسئلہ قومیت	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
۱۴.تذکرہ	مولانا ابوالکلام آزاد
۱۵.ولادت سے عدالت تک	ڈاکٹر محمد قاسم

نصاب برائے ناصرین (سال دوم)

کتاب	مصنف
۱. تدبر القرآن (جلد۴۔۶)	//
۲. بلوغ المرام (جلد دوم)	//
۳. اصول الشاشی (اردو)	امام الشاشیؒ
۴. تاریخ دعوت وعزیمت (جلد۳۔۵)	//
۵. اسلام اور جدید معیشت وتجارت	جسٹس تقی عثمانی
۶. رسول اکرم کی سیاسی زندگی	ڈاکٹر حمید اللہؒ
۷. مقدمہ ابن خلدون (جلد اول)	ابن خلدون
۸. اسلام اور جدید مادی افکار	محمد قطبؒ
۹. اسلام اور سیکولرازم	علامہ یوسف القرضاوی
۱۰. اسلامی ریاست	تقی الدین النبھانیؒ
۱۱. ذخیرۃ الملوک (اردو)	امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ
۱۲. مقدس رسول	ڈاکٹر عبد الماجد
۱۳. ازواج مطہرات	ڈاکٹر حافظ حقانیؒ
۱۴. عورت کی اسلامی زندگی اور جدید سائنسی تحقیقات	مولانا محمد انور بن اختر
۱۵. تاریخ تحریک جدوجہد آزادی کشمیر	پریم ناتھ بزاز

نصاب برائے ناصرین (سال سوم)

کتاب	مصنف
۱.تدبر القرآن (جلد ۷-۹)	//
۲.جامعہ الترمذی (مکمل) (اردو)	امام ترمذیؒ (اردو شرح علامہ بدیع الزمان، علامہ وحید الزمان)
۳.فتوح الغیب (اردو)	حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ
۴.History of Islam (مکمل)	پروفیسر مسعود الحسنؒ
۵.قصص القرآن (مکمل)	مولانا عبد الرحمٰن سیوہاروی
۶.اسلامی سیاست	مولانا گوہر الرحمٰن
۷.مقدمہ ابن خلدون (جلد دوم)	//
۸.سقوط ڈھاکہ	علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ
۹.اسلام اور جدید ذہن کے شبہات	محمد قطب
۱۰.معرکہ وطنیت	پروفیسر عمر حیات غوری
۱۱.پس چہ باید کرد (اردو)	علامہ اقبالؒ شارح پروفیسر سلیم یوسف چشتی
۱۲.نقوش اقبال	مولانا سید ابوالحسن ندویؒ
۱۳.جدید جہالیت	محمد قطب
۱۴.فقہ النساء	محمد عطیہ خمیس
۱۵.The Status of Sunnah	ڈاکٹر محمد قاسم

نوٹ: سالکین وناصرین کیلئے یہ نصاب اسطرح تیار کیا گیا ہے کہ وہ اگر کم سے کم صرف دو گھنٹے کا مطالعہ ہر روز اپنا معمول بنائیں گے تو انشاء اللہ سات سال میں یہ نصاب بآسانی مکمل کریں گے۔

داعی التوحید ڈاکٹر محمد قاسم

امیر

تحریک احیاء خلافت

سنٹرل جیل میں ہمارے ایک مخلص اور یکسو، اسلام کے شیدائی اور جدوجہد آزادی کے سرفروش جناب ڈاکٹر محمد قاسم ہیں جن کو ایک عدالت سے رہائی دیئے جانے کے بعد محض انتقام گیری اور ان کی دینی اور عملی صلاحیتوں سے مظلوم قوم کو محروم کرنے کیلئے عمر قید کی سزا دلائی گئی۔ ان کی یاد اور ان کی اصلاح اور استبدادی قوتوں سے آزادی حاصل کرنے کی امنگ اور تمنا ہمارے قلب و ذہن سے کبھی محو نہیں ہو سکتی ہے۔ ان کی مسلسل اسیری ہمارے کام کی وسعت میں ایک سدراہ ہے۔ اللہ کی رحمت اور بندہ پروری سے کچھ بعید نہیں کہ وہ اس عظیم آزمائش سے عہدہ برآ ہوں۔

(جناب سید علی گیلانی چیئر مین آل پارٹی حریت کانفرنس)

فاضل ڈاکٹر محمد قاسم صاحب جدید دنیا کی نئی نسل، جو مغرب کے سائنسی و فکری اقدام سے مرعوب ہو کر مجموعی طور پر مقصد حیات سے بے اعتنائی برتنے کی ڈگر پر چل پڑی ہے، کو روحانی شراب مطہرہ پلا کر باطنی پاکیزگی کے آداب سکھا کر اور بتان فکر و نظر کو توڑنے کا عزم عطا کر کے آنے والے زمانوں کیلئے ایک ناقابل تسخیر قوت بہم پہنچانے کی فکر میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اس

اہم اور نہایت سنجیدہ وصعب کام کیلئے بنیادیں استوار کر رہے ہیں۔ آپ کے علمی کاوشیں اگرچہ مجاہدات، ریاضات، تقوی، تزکیہ اور ذکر و اوراد اور مکمل شعور و خلوص کیساتھ عبادات کی بجا آوری کی تاکید و تلقین پر ہی مبنی ہے تاہم ڈاکٹر صاحب کے دل میں ملک کشمیر پر بھارت کے غاصبانہ تسلط اور استسلط کے نتیجے میں ہو رہے مظالم و شدائد کا گہرا احساس بھی اس میں جھلکتا ہے۔ آپ فرد اور انسانی معاشرے کے ہر شعبہ زندگی پر اللہ کی حاکمیت کا پرچم لہراتے ہوئے دیکھنے کو اپنی زندگی کا مقدس تمنا سمجھتے ہیں۔

(ماہر اقبالیات جناب ڈاکٹر شفیع شریعتی)

ریاست کا بچہ بچہ اس حقیقت سے واقف ہے کہ ڈاکٹر قاسم عاشق حسین نے امام حسینؑ کا حقیقی عاشق ہونے کا برملا ثبوت اپنی انقلاب انگیز تحریکی سرگرمیوں سے وابستگی سے فراہم کیا۔ حد یہ ہے کہ جب موصوف کی غیر متزلزل ایمانی حرکت وحرارت کو دشمنانِ آزادی واسلام نے بھانپ لیا تو جعلی کیس میں ملوث کر کے اسلامی اسکالر مفکر ملت، جری و بہادر حریت پسند ڈاکٹر محمد قاسم کو عمر قید کی سزا ان دیکر ہمیشہ کیلئے سلاخوں کے پیچھے کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا موصوف طرح طرح کے مہلک امراض میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ہم بھارتی حکام کو خبردار کرتے ہیں کہ اگر اس مرد جلیل مفکر ملت کی زندگی کو کچھ ہوا تو سارا بھارت حریت پسند ریاستی عوام کے لامتناہی احتجاجی سلسلہ سے ہل جائے گا۔ کون نہیں جانتا موصوف کا سارا گھرانہ تحریکی سرگرمیوں میں ازل سے ہی سرگرم عمل ہے۔

(جناب حاجی نثار حسین راتھر چیئرمین تحریک وحدت اسلامی)

SHALIMAR ART PRESS
Ph.: 2474972, 9419068429